بفیضان نظر

میر شجاع الدین حسین قادری

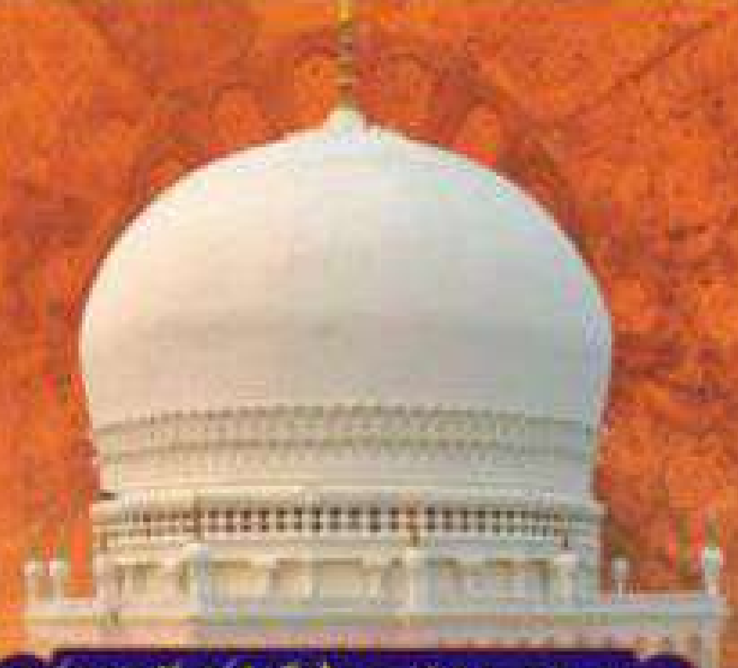

سید شاہ عبید اللہ قادری ... پاشاہ

ماہنامہ

صدائے شجاعیہ

حیدرآباد

علمی، ادبی و سماجی ترجمان

چیف ایڈیٹر: سید محمد ابراہیم حسین قادری

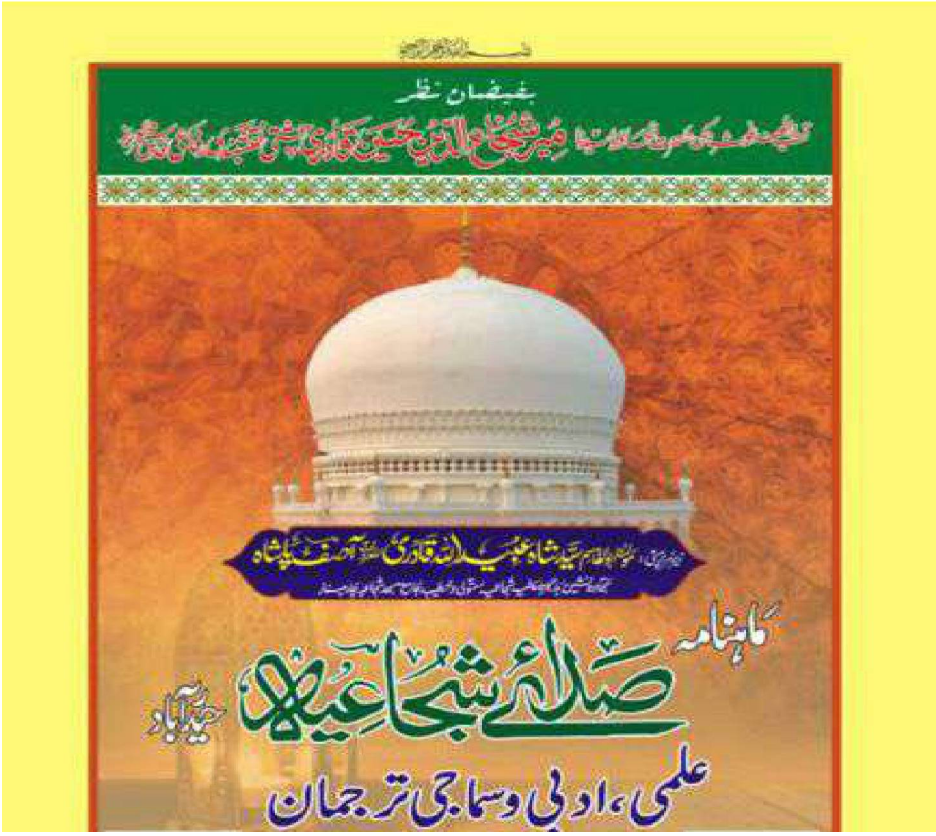

VOLUME No. 4 ISSUE No. 61 PAGES 64 PRICE Rs. 5/-

JUNE 2025

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں

PRESS LINE: SADA E SHUJAIYA URDU MONTHLY

Edited, Printed, Published & Owned by : SM IBRAHIM, Print at: Aijaz Printing Press S.No. 22-8-81, Chatta Bazar, Hyderabad. Published from:Office Shujiya Times D.No.22-5-918/15/A, Charminar Hyderabad-2. **Managing Editor: Mumtaz Ahmed.**

بسم الله الرحمن الرحيم

بلغ العلى بكماله
كشف الدجى بجماله
حسنت جميع خصاله
صلوا عليه وآله

فہرست مضامین

نمبر شمار			صفحہ نمبر
۱	حمد		4
۲	نعت شریف		5
۳	اداریہ	مولانا سید ابراھیم پاشاہ قادری صاحب	6
۴	قربانی کے فضائل و مسائل	مولانا سید عزیز اللہ صاحب قادری	7
۵	ماہ ذوالحجہ کا پہلا عشرہ	علامہ ڈاکٹر طاہر القادری صاحب	18
۶	ذبح عظیم۔۔۔	مولانا ڈاکٹر محمد عبدالمجید نظامی صاحب	24
۷	اسلام اور تصور قربانی	مولانا مفتی محمد انوار احمد قادری صاحب	34
۸	کعبہ شریف کی عظمت و تقدس	ماخوذ	42
۹	آج بھی اگر ہو ابراھیمؑ سا ایماں پیدا	ماخوذ	54
۱۰	فلسطین ظلم کی صلیب پر	ماخوذ	58
۱۱			
۱۲			

”صدائے شجاعیہ“ ملنے کا پتہ

خانقاہ شجاعیہ عقب جامع مسجد شجاعیہ چار مینار حیدرآباد۔ تلنگانہ

حمد باری تعالی

ہر سمت تیری نصرت ہر شے میں تیری قدرت
کون و مکان ہے تیرے تو ہی بنائے قسمت
خلا ہے دو جہاں ہیں رزاق التجا ہیں
عالم میں تو ہی افضل تجھ کو فنا کہاں ہے
تو لاشریک یا رب وحدت ہے تیری فطرت
قیوم نام تیرا ہر سمت تیری شہرت
جن و بشر کے لب پر تیری کہانیاں ہیں
شمس و قمر، ستارے تیری نشانیاں ہیں
حافظ حظات حالی ہر عیب سے ہے خالی
کیا حمد اس کی لکھوں اس کی صفت نرالی
ہر سمت تیری نصرت، ہر شے میں تیری قدرت
کون و مکان ہے تیرے تو ہی بنائے قسمت

نعت شریف

میں کرسکوں طواف دیارِ رسول اللہ ﷺ کا
روضہ ہو میرے سامنے پیارے رسول اللہ کا

صرف اتنا التماس مجھے اپنے رب سے ہے
محشر میں آسرا ہو دلارے رسول ﷺ کا

صدیوں کے بعد بھی ہے وہی حج کا اژدہام
اک یہ بھی معجزہ ہے ہمارے رسول ﷺ کا

جیسے کہ یہ تمام ستارے غلام ہیں
یوں حکم مانتے ہیں ستارے رسول ﷺ کا

مشہودؔ اب ہے حاضری اپنی بہت قریب
دیکھا ہے روضہ خواب میں پیارے رسول اللہ ﷺ کا

پروفیسر سید مشہود حسن رضوی

اداریہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد

ہمارے ملک عزیز ہندوستان میں اب تک مسلمانوں کی دل آزاری اور ملک کی گنگا جمنی تہذیب کو ختم کرنے اورنفرت کو پروان چڑھانے کی غرض سے فرقہ پرست طاقتوں نے ہرحربہ استعمال کیااور کررہے ہیں۔ مسلمانوں کو ہرطریقہ سے ہراساں اور پریشان کیا جارہاہے۔

ہندوستان میں مسلمانوں پرڈھائے گیے ظلم وستم کی لمبی داستان ہے،ان کی عزت وآبرو پر حملے عام ہیں،ماب لنچنگ کے ذریعہ قتل کے شکار بھی مسلمان ہوتے رہے ہیں،ان کے گھروں پر بلڈوزر چلایا گیا اور چلایا جارہا ہے،ان حالات و واقعات پر مسلمانوں نے تھوڑے بہت احتجاج کے علاوہ عموما صبر سے کام لیا،تحمل اور برداشت کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا،ہمارے اس برداشت کو ہماری کمزوری سمجھی گئی،بعض مسجد پر بھی بلڈوزر چلائے گیے،مسلمانوں نے ان سب کو برداشت کرلیا۔

اب اس صورت حال میں ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم سب سے پہلے تو احکام الٰہی اور سنن نبوی ﷺ پر سختی سے عمل پیراہوں اورسید الاولین والآخرین خاتم النبین ﷺ کی سیرت مطہرہ سے غیر مسلم افراد کو وقتا فوقتا واقف کروائیں اورانہیں دین اسلام کی اچھائیاں بتلائیں۔اللہ تعالی سے دعاہے کہ وہ ہمیں اپنے احکام پر عمل کرنے اورحضور نبی کریم ﷺ کی سنن مبارک پرعمل کرنے اوران سے سچی محبت کرنے کی توفیق عطافرمائے۔آمین

فقط:۔مولانا سید ابراھیم پاشاہ قادری صاحب

قربانی کے فضائل ومسائل

مولانا سید محمد عزیز اللہ قادری صاحب

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں دکھایا گیا کہ وہ اپنے بیٹے (اسماعیل علیہ السلام) کو ذبح کررہے ہیں۔ نبی کا خواب سچا ہوا کرتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام فلسطین سے مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ جب باپ نے بیٹے کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہیں ذبح کرنے کا حکم دیا ہے تو فرمانبردار بیٹے اسماعیل علیہ السلام کا جواب تھا: ابا جان! جو کچھ آپ کو حکم دیا جارہا ہے، اسے کرڈالیے۔ ان شاء ▪ اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے۔ (سورۃ الصٰفٰت ۲۰۱) بیٹے کے اس جواب کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو جب مکہ مکرمہ سے ذبح کرنے کے لیے لے کر چلے تو شیطان نے منیٰ میں تین جگھوں پر انہیں بہکانے کی کوشش کی، جس پر انہوں نے سات سات کنکریاں اس کو ماریں جس کی وجہ سے وہ زمین میں دھنس گیا۔

آخرکار رضاء الٰہی کی خاطر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے دل کے ٹکڑے کو منہ کے بل زمین پر لٹادیا، چھری تیز کی، آنکھوں پر پٹی باندھی اور اُس وقت تک چھری اپنے بیٹے کے گلے پر چلاتے رہے جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ صدا نہ آگئی۔ اے ابراہیم! تو نے خواب سچ کر دکھایا، ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔ (سورۃ الصٰفٰت ۱۰۴۔ ۱۰۵) چنانچہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جگہ جنت سے ایک مینڈھا بھیج دیا گیا جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذبح کردیا۔ (سورۃ الصٰفٰت ۱۰۷)

اس واقعہ کے بعد سے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جانوروں کی قربانی کرنا خاص عبادت میں شمار ہوگیا۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لیے بھی ہر سال قربانی نہ صرف مشروع کی گئی، بلکہ اس کو اسلامی شعار بنایا گیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی

اتباع میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر جانوروں کی قربانی کا یہ سلسلہ کل قیامت تک جاری رہے گا ان شاء اللہ۔

قربانی کا حکم:۔

تمام فقہاء وعلماء کرام قرآن وسنت کی روشنی میں قربانی کے اسلامی شعار ہونے اور ہر سال قربانی کا خاص اہتمام کرنے پر متفق ہیں، البتہ قربانی کو واجب یا سنت مؤکدہ کا Title دینے میں زمانہ قدیم سے اختلاف چلا آرہا ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ نے قرآن وحدیث کی روشنی میں ہر صاحب حیثیت پر اس کے وجوب کا فیصلہ فرمایا ہے۔ حضرت امام مالک بھی قربانی کے وجوب کے قائل ہیں، حضرت امام احمد بن حنبل کا ایک قول بھی قربانی کے وجوب کا ہے۔ علامہ ابن تیمیہ نے بھی قربانی کے واجب ہونے کے قول کو ہی راجح قرار دیا ہے۔ البتہ فقہاء وعلماء کی دوسری جماعت نے بعض دلائل کی روشنی میں قربانی کے سنت مؤکدہ ہونے کا فیصلہ فرمایا ہے، لیکن عملی اعتبار سے امت مسلمہ کا اتفاق ہے کہ قربانی کا اہتمام کرنا چاہیے اور وسعت کے باوجود قربانی نہ کرنا غلط ہے خواہ اس کو جو بھی Title دیا جائے۔" جواہر الاکلیل شرح مختصر خلیل" میں امام احمد بن حنبل کا موقف تحریر ہے کہ اگر کسی شہر کے سارے لوگ قربانی ترک کردیں تو ان سے قتال کیا جائے گا کیونکہ قربانی اسلامی شعار ہے۔۔۔۔ صحابہ وتابعین عظام سے استفادہ کرنے والے حضرت امام ابوحنیفہ (۸۰ھ۔۱۵۰ھ) کی قربانی کے وجوب کی رائے احتیاط پر مبنی ہے۔

قربانی کے وجوب کے دلائل:

قرآن وسنت میں قربانی کے واجب ہونے کے متعدد دلائل ہیں، یہاں اختصار کی وجہ سے چند دلائل ذکر کیے جارہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا: (سورۃ الکوثر ۲) نماز پڑھئے اپنے رب کے لیے اور قربانی کیجئے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قربانی کرنے کا حکم (امر) دیا ہے، عربی زبان میں امر کا صیغہ عموماً وجوب کے لیے ہوا کرتا ہے۔ وَانْحَر کے متعدد مفہوم مراد لیے گئے ہیں مگر سب سے زیادہ راجح قول قربانی کرنے کا ہی ہے۔ اردو زبان میں تحریر کردہ تراجم وتفاسیر میں قربانی کی ہی معنی تحریر کیے گئے ہیں۔ جس طرح فَصَلِّ لِرَبِّكَ سے نماز عید کا واجب ہونا ثابت ہوتا ہے اسی طرح وَانْحَر سے قربانی کا واجب ہونا

ثابت ہوتا ہے۔(اعلاء السنن)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص میں قربانی کرنے کی وسعت ہو پھر بھی قربانی نہ کرے تو (ایسا شخص) ہماری عیدگاہ میں حاضر نہ ہو۔(مسند احمد ابن ماجہ۔ باب الاضاحی واجبہ ھی ام لا؟ حاکم ۲/۹۸۳) عصر قدیم سے عصر حاضر کے جمہور محدثین نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔اس حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کی وسعت کے باوجود قربانی نہ کرنے پر سخت وعید کا اعلان کیا ہے اور اس طرح کی وعید عموماً ترک واجب پر ہی ہوتی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے نماز عید سے قبل قربانی کر لی تو اسے اس کی جگہ دوسری قربانی کرنی ہوگی۔قربانی نماز عید الاضحیٰ کے بعد بسم اللہ پڑھ کر کرنی چاہیے۔(بخاری۔کتاب الاضاحی۔باب من ذبح قبل الصلاۃ اعاد، مسلم۔کتاب الاضاحی۔باب وقتہا) اگر قربانی واجب نہیں ہوتی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز عیدالاضحیٰ سے قبل قربانی کرنے کی صورت میں دوسری قربانی کرنے کا حکم نہیں دیتے، باوجود یکہ اُس زمانہ میں عام حضرات کے پاس مال کی فراوانی نہیں تھی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات کے میدان میں کھڑے ہو کر فرمایا: اے لوگو! ہر سال ہر گھر والے پر قربانی کرنا ضروری ہے۔(مسند احمد،ابوداؤد۔باب ماجاء فی ایجاب الاضاحی، ترمذی۔ باب الاضاحی واجبۃ ہی ام لا)

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس سال مدینہ منورہ میں قیام فرمایا اور اس عرصہ قیام میں آپ مسلسل قربانی فرماتے تھے۔ (ترمذی ۱/۲۸۱) مدینہ منورہ کے قیام کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک سال بھی قربانی نہ کرنے کا کوئی ثبوت احادیث میں نہیں ملتا، اس کے برخلاف احادیث صحیحہ میں مذکور ہے کہ مدینہ منورہ کے قیام کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر سال قربانی کی، جیسا کہ مذکورہ حدیث میں وارد ہے۔حضرت علی فرماتے ہیں کہ مسافر پر قربانی واجب نہیں ہے۔ (محلیٰ بالآثار ج ۶ ص ۳۷، کتاب الاضاحی) معلوم ہوا کہ مقیم پر قربانی واجب ہے۔

قرآنِ کریم میں قربانی کا ذکر:

نماز پڑھئے اپنے رب کے لیے اور قربانی

کیجیے۔(سورۃ الکوثر ۲)

قربانی کا حکم جو اس امت کے لوگوں کو دیا گیا ہے کوئی نیا حکم نہیں، پہلی امتوں کے بھی ذمہ قربانی کی عبادت لگائی گئی تھی۔۔۔ ہر امت کے لیے ہم نے قربانی کا طریقہ مقرر کیا ہے تا کہ ان چوپائے جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے انہیں دے رکھے ہیں۔۔۔(سورۃ الحج ۳۴) نسک کے مختلف معنی ہیں، مفسرین کی ایک بڑی جماعت نے اس سے مراد قربانی لی ہے۔ہم نے ہر امت کے لیے ذبح کرنے کا طریقہ مقرر کیا ہے کہ وہ اس طریقہ پر ذبح کیا کرتے تھے۔(سورۃ الحج ۲۶)

آپ فرما دیجیے کہ یقیناً میری نماز، میری قربانی اور میرا جینا و مرنا سب خالص اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو سارے جہاں کا مالک ہے۔(سورۃ الانعام)

اللہ تعالیٰ کو قربانیوں کے گوشت نہیں پہنچتے نہ اُن کے خون بلکہ اسے تمہارے دل کی پرہیزگاری پہنچتی ہے۔(سورۃ الحج ۳۷)

وضاحت: قربانی میں اس بات کا خاص خیال رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کو قربانی کا گوشت یا خون نہیں پہنچتا ہے بلکہ جتنے اخلاص اور اللہ سے محبت کے ساتھ قربانی کی جائے گی اتنا ہی اجر وثواب اللہ تبارک وتعالیٰ عطا فرمائے گا اور یہ اصول صرف قربانی کے لیے نہیں بلکہ نماز، روزہ، زکاۃ، حج یعنی ہر عمل کے لیے ہے لہذا ہمیں ریا، شہرت، دکھاوے سے بچ کر خلوص کے ساتھ اللہ کی رضا کیلیے اعمال صالحہ کرنے چاہئیں۔

وضاحت: ان آیات سے معلوم ہوا کہ ہر زمانے اور ہر امت میں اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے جانوروں کی قربانی مشروع رہی ہے، اور یہ ایک اہم عبادت ہے اس کی مشروعیت، تاکید، اہمیت اور اس کے اسلامی شعار ہونے پر عصر حاضر کے بھی تمام مکاتب فکر متفق ہیں۔

قربانی کرنے کی فضیلت:۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ذی الحجہ کی دس تاریخ کو کوئی نیک عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک قربانی کا خون بہانے سے بڑھ کر محبوب اور پسندیدہ نہیں اور قیامت کے دن قربانی کرنے والا اپنے جانور کے بالوں، سینگوں اور کھروں کو لے کر آئے گا۔(اور یہ چیزیں اجر وثواب کا سبب بنیں گی)۔ نیز فرمایا کہ قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے نزدیک شرفِ قبولیت حاصل کر لیتا ہے، لہذا تم خوش دلی کے

ساتھ قربانی کیا کرو۔(ترمذی۱/ ۱۸۰،،،،ابن ماجہ)
حضرت زید بن ارقم سے روایت ہے کہ صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یہ قربانی کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ہمارے لیے اس میں کیا اجر وثواب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر بال کے بدلے میں نیکی ملے گی۔ (ابن ماجہ، ترمذی، مسند احمد۔۔۔۔۔الترغیب والترھیب)
حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص میں قربانی کرنے کی وسعت ہو پھر بھی قربانی نہ کرے تو (ایسا شخص) ہماری عیدگاہ میں حاضر نہ ہو۔(مسند احمد۲/ ۳۲۱، ابن ماجہ۔باب الاضاحی واجبۃھی ام لا؟ حاکم۲/ ۳۸۹)
حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں دس سال قیام فرمایا اور اس عرصہ قیام میں آپ مسلسل قربانی فرماتے تھے۔(ترمذی۱/ ۱۸۲)
حضرت علی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے فاطمہ! جاؤ۔اپنی قربانی پر حاضری دو، کیونکہ اس کے خون سے جونہی پہلا قطرہ گرے گا تمہارے سارے گناہ معاف ہوجائیں گے۔نیز وہ جانور (قیامت کے دن) اپنے خون اور گوشت کے ساتھ لایا جائے گا۔اور پھر اسے ستر گنا (بھاری کرکے) تمہارے میزان میں رکھا جائے گا۔
حضرت ابوسعید الخذری نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا یہ (فضیلت) آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے یا آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مسلمانوں کے لیے عام ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ فضیلت آل محمد کے لیے تو بطور خاص ہے اور تمام مسلمانوں کے لیے بھی عام ہے۔(یعنی ہر مسلمان کو بھی قربانی کرنے کے بعد یہ فضیلت حاصل ہوگی)(الترغیب والترہیب)
وضاحت: قربانی کے فضائل میں متعدد احادیث کتب احادیث میں مذکور ہیں، بعض احادیث کی سند میں ضعف بھی ہے مگر قربانی کا حکم قرآن کریم واحادیث صحیحہ سے ثابت ہے، جس پر پوری امت مسلمہ کا اتفاق ہے، لہذا اصول حدیث کے مطابق فضائل قربانی میں احادیث ضعیفہ معتبر ہوں گی۔

ان مبارک ایام میں خون بہانے کی فضیلت:۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود نماز عید الاضحیٰ سے فراغت کے بعد قربانی فرماتے تھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی کرنے کا ذکر حدیث کی ہر مشہور ومعروف کتاب میں ہے۔آپ نہ صرف اپنی طرف سے بلکہ اپنے گھر والوں اور امت مسلمہ کے ان احباب کی طرف سے بھی قربانی کرتے تھے جو قربانی نہیں کر سکتے تھے۔(بخاری ومسلم، ترمذی، ابن ماجہ، نسائی، ابوداؤد، مسند احمد وغیرہ) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر انہیں قربانی کے ایام میں سو اونٹوں کی قربانی دی، ان میں سے ۶۳ اونٹ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بذاتِ خود نحر (ذبح) کئے اور باقی ۳۷ اونٹ حضرت علی نے نحر (ذبح) کئے۔حضرت جابر فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الاضحیٰ کے دن سینگوں والے ،دھبے دار خصی دو مینڈھے ذبح کئے۔(ابوداؤد۔باب مایستحب من الضحایا) غرضیکہ ان ایام میں خون بہانا ایک اہم عبادت ہے۔

قربانی نہ کرنے پر وعید:۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ۔جس شخص میں قربانی کرنے کی وسعت ہو پھر بھی قربانی نہ کرے تو (ایسا شخص) ہماری عیدگاہ میں حاضر نہ ہو۔(مسند احمد ۲/۱۲۳، ابن ماجہ۔باب الاضاحی واجبۃ ھی ام لا؟ حاکم ۲/۹۸۳) عصر قدیم سے عصر حاضر کے جمہور محدثین نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

قربانی کا وقت:۔

قربانی کا وقت نماز عید الاضحیٰ سے شروع ہوتا ہے اور بارہ ذی الحجہ کے غروب آفتاب تک رہتا ہے۔نماز عید الاضحیٰ سے قبل قربانی کی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری قربانی کرنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ حدیث میں گزرا، اس سے قربانی کا ابتدائی وقت معلوم ہوا۔قربانی کے آخری وقت کی تحدید میں فقہاء وعلماء کے درمیان زمانہ قدیم سے اختلاف چلا آرہا ہے۔حضرت امام ابوحنیفہ، حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد بن حنبل (ایک روایت) نے بارہ ذی الحجہ کے غروب آفتاب تک تحریر کیا ہے جبکہ بعض علماء نے تیرہ ذی الحجہ کے غروب آفتاب تک وقت تحریر کیا ہے۔

پہلا قول احتیاط پر مبنی ہونے کے ساتھ دلائل کے اعتبار سے بھی قوی ہے کیونکہ کسی بھی حدیث میں یہ مذکور نہیں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی صحابی نے تیرہ ذی الحجہ کو قربانی کی ہو، البتہ بعض احادیث وآثار کے مفہوم سے دوسرے قول کی تائید ضروری ہوتی ہے مگر اُن احادیث وآثار کے دوسرے معنی بھی مراد لیے جاسکتے ہیں مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا: کل فجاج مکہ منحر وکل ایام التشریق ذبح (طبرانی وبیہقی)۔

اولاً اس حدیث کی سند میں ضعف ہے، احادیث ضعیفہ فضائل کے حق میں تو معتبر ہیں، لیکن ان سے حکم ثابت نہیں کیا جاسکتا ہے۔ ثانیاً بعض کتب حدیث میں یہ حدیث "وکل ایام التشریق ذبح" کے الفاظ کے بغیر مروی ہے۔

قربانی کا وقت بارہ ذی الحجہ کے غروب آفتاب تک ہے، اس کے چند دلائل پیش ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدائی سالوں میں صحابہ کرام کے اقتصادی حالات کے پیش نظر قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ ذخیرہ کرنے سے منع فرمادیا تھا، بعد میں اس کی اجازت دے دی گئی۔ اگر چوتھے دن قربانی کی جاسکتی ہے تو پھر تین دن سے زیادہ قربانی کا ذخیرہ کرنے سے منع کرنے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ (کتب حدیث میں یہ حدیثیں موجود ہیں (

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ ایام معلومات' یوم النحر (دسویں ذی الحجہ) اور اسکے بعد دو دن (۱۱ و ۱۲ ذی الحجہ) ہیں۔ (احکام القرآن للجصاص۔ باب الایام المعلومات/تفسیر ابن ابی حاتم رازی)

مشہور ومعروف تابعی حضرت قتادہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔قربانی دسویں ذی الحجہ کے بعد صرف دو دن ہے۔ (سنن کبری للبیہقی۔ باب من قال الاضحیٰ یوم النحر) حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت انس کے علاوہ حضرت علی، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت ابوہریرہ، حضرت سعید بن الجبیر اور سعید بن المسیب کے اقوال بھی کتب حدیث میں مذکور ہیں جسمیں وضاحت کے ساتھ تحریر ہے کہ قربانی صرف تین دن ہے۔

وضاحت: امت مسلمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نماز عیدالاضحیٰ سے فراغت کے بعد فوری طور پر قربانی کرنا سب سے زیادہ بہتر ہے، بلکہ کچھ کھائے بغیر نماز عیدالاضحیٰ کے لیے جانا اور سب سے پہلے قربانی کا

گوشت کھانا عیدالاضحیٰ کی سنن میں سے ہے۔
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا یہی معمول تھا۔ اس وجہ سے ہمیں پہلے ہی دن قربانی کرنی چاہیے، اگر کسی وجہ سے پہلے دن قربانی نہ کر سکتے یا چند قربانیاں کرنی ہیں تو ۱۲ ذی الحجہ کے غروب آفتاب تک ضرور فارغ ہوجانا چاہیے کیونکہ جن بعض علماء نے ۱۳ ذی الحجہ کو قربانی کی اجازت دی ہے انہوں نے بھی یہی تحریر کیا ہے کہ ۱۲ ذی الحجہ سے قبل ہی بلکہ ۱۰ ذی الحجہ کو ہی قربانی کر لینی چاہیے۔

قربانی کے جانور کی عمر:

بکرا، بکری، بھیڑ ایک سال کی ہو، بھیڑ اور دنبہ جو ہو تو چھ ماہ کا لیکن دیکھنے میں ایک سال کا معلوم ہو اور گائے ،بھینس دو سال کی اور اونٹ پانچ سال کا ہو ان سب جانوروں پر قربانی کرنا جائز ہے۔

قربانی کے جانور میں شرکاء کی تعداد:

حضرت عبد اللہ بن عمر نے فرمایا کہ قربانی میں بکرا (بکری، مینڈھا، دنبہ) ایک شخص کی طرف سے ہے۔ (اعلاء السنن۔ باب ان البدنہ عن سبعۃ) حضرت جابر نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کا احرام باندھکر نکلے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو حکم دیا کہ ہم اونٹ اور گائے میں سات سات (آدمی) شریک ہوجائیں۔ (مسلم۔ باب جواز الاشتراک)

حضرت جابر نے فرمایا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حدیبیہ کے سال قربانی کی، اونٹ سات آدمیوں کی طرف سے اور گائے سات آدمیوں کی طرف سے۔ (مسلم۔ باب جواز الاشتراک فی الھدی)

قربانی کے جانور کا عیوب سے پاک ہونا:

عیب دار جانور (جس کے ایک یا دو سینگ جڑ سے اکھڑ گئے ہوں، اندھا جانور، ایسا کانا جانور جس کا کانا پن واضح ہو، اس قدر لنگڑا جو چل کر قربان گاہ تک نہ پہنچ سکتا ہو، ایسا بیمار جس کی بیماری بالکل ظاہر ہو، وغیرہ وغیرہ) کی قربانی کرنا جائز نہیں ہے۔

بھینس کی قربانی کا حکم:

جمہور علماء کا اتفاق ہے کہ گائے واونٹ کی طرح بھینس پر بھی قربانی کی جاسکتی ہے۔ گائے واونٹ کی طرح بھینس کی قربانی میں بھی سات حضرات شریک

ہو سکتے ہیں۔

خود قربانی کرنا افضل ہے:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قربانی خود کیا کرتے تھے، اس وجہ سے قربانی کرنے والے کا خود ذبح کرنا یا کم ازکم قربانی میں ساتھ لگنا بہتر ہے، جیسا کہ حدیث میں گزرا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کو قربانی پر حاضر رہنے کو فرمایا۔

قربانی کا گوشت:

قربانی کے گوشت کو آپ خود بھی کھا سکتے ہیں، رشتہ داروں کو بھی کھلا سکتے ہیں اور غرباء ومساکین کو بھی دے سکتے ہیں۔ علماء کرام نے بعض آثار کی وجہ سے تحریر کیا ہے کہ اگر گوشت کے تین حصے کر لیے جائیں تو بہتر ہے۔ ایک حصہ اپنے لیے، دوسرا حصہ رشتہ داروں کے لیے اور تیسرا حصہ غرباء ومساکین کے لیے، لیکن اس طرح تین حصے کرنے ضروری نہیں ہیں۔

میت کی جانب سے قربانی:

جمہور علماء امت نے تحریر کیا ہے کہ میت کی جانب سے بھی قربانی کی جاسکتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے قربانی کرنے کے علاوہ امت کے افراد کی طرف سے بھی قربانی کیا کرتے تھے، اس قربانی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ افراد کے لیے خاص نہیں کیا کرتے تھے۔ اسی طرح حدیث میں ہے کہ حضرت علی نے دو قربانیاں کی اور فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے قربانی کرنے کی وصیت فرمائی تھی اور اسی لیے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بھی قربانی کرتا ہوں۔ (ابوداؤد، ترمذی)

قربانی کرنے والے کے لیے مستحب عمل:

حضرت ام المؤمنین ام سلمہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب ذی الحجہ کا مہینہ شروع ہوجائے، اور تم میں سے جو قربانی کرنے کا ارادہ کرے تو وہ اپنے بال اور ناخن نہ کاٹے۔ (مسلم) اس حدیث اور دیگر احادیث کی روشنی میں' قربانی کرنے والوں کے لیے مستحب ہے کہ ذی الحجہ کا چاند نظر آنے کے بعد قربانی کرنے تک جسم کے کسی حصے کے بال اور ناخن نہ کاٹیں۔

ایک شبہ کا ازالہ: مغربی تہذیب سے متاثر ہو کر بعض حضرات نے ایک نیا فتنہ شروع کر دیا

ہے کہ جانوروں کے خون بہانے کے بجائے صدقہ وخیرات کر کے لوگوں کی مدد کی جائے۔ اسمیں کوئی شک وشبہ نہیں کہ اسلام نے زکوۃ کے علاوہ صدقہ وخیرات کے ذریعہ غریبوں کی مدد کی بہت ترغیب دی ہے مگر قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس عظیم الشان کارنامہ کی یادگار ہے جس میں انہوں نے اپنے لخت جگر کو ذبح کرنے کے لیے لٹادیا تھا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے بلا چوں وچرا حکم الہی کے سامنے سر تسلیم خم کر کے ذبح ہونے کے لیے اپنی گردن پیش کردی تھی۔

مگر اللہ تعالی نے اپنا فضل فرما کر جنت سے دنبہ بھیج دیا، اِس عظیم الشان کارنامہ پر عمل قربانی کر کے ہی ہو سکتا ہے محض صدقہ وخیرات سے اِس عمل کی یاد تازہ نہیں ہوسکتی۔ نیز چودہ سو سال قبل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر کو واضح کردیا: حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عید کے دن قربانی کا جانور (خریدنے) کے لیے پیسے خرچ کرنا اللہ تعالیٰ کے یہاں اور چیزوں میں خرچ کرنے سے زیادہ افضل ہے۔(طبرانی، دارقطنی)

قربانی کا مقصد محض غریبوں کی مدد کرنا نہیں ہے جو صدقہ وخیرات سے پورا ہو جائے بلکہ قربانی میں مقصود جانور کا خون بہانا ہے، یہ عبادت اسی خاص طریقہ سے ادا ہوگی، محض صدقہ وخیرات کرنے سے یہ عبادت ادا نہ ہوگی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے دور میں غربت دور حاضر کی نسبت بہت زیادہ تھی، اگر جانور ذبح کرنا مستقل عبادت نہ ہوتی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام جانور ذبح کرنے کے بجائے غریبوں کی مدد کرتے مگر تاریخ میں ایسا ایک واقعہ بھی نہیں ملتا۔

قربانی سے کیا سبق حاصل کریں؟

جانور کی قربانی کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے عظیم الشان عمل کو یاد کریں کہ دونوں اللہ کے حکم پر سب سے محبوب چیز کی قربانی دینے کے لیے تیار ہو گئے، لہذا ہم بھی احکام الہی پر عمل کرنے کے لیے اپنی جان ومال ووقت کی قربانی دیں۔

قربانی کی اصل روح یہ ہے کہ مسلمان اللہ کی محبت میں اپنی تمام نفسانی خواہشات کو قربان کردے۔ لہذا

ہمیں من چاہی زندگی چھوڑ کر رب چاہی زندگی گزارنی چاہیے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں صرف یہی ایک عظیم واقعہ نہیں بلکہ انہوں نے پوری زندگی اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری میں گزاری،جوحکم بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو ملا فوراًاس پرعمل کیا۔

جان،مال،ماں باپ،وطن اورلخت جگرغرض سب کچھ اللہ کی رضا میں قربان کردیا،ہمیں بھی اپنے اندر یہی جذبہ پیدا کرنا چاہیے کہ اللہ تعالی کا جوحکم بھی سامنے آئے اس پرہم خوش وخرم عمل کریں۔

قربانی ایک ایسا عمل اور ایسی عبادت ہے جس سیہزارہا غریبوں کا روزگار وابستہ ہے۔کتنے غریب ایسے ہوتے ہیں کہ جو عید کے اس موسم کا انتظار کرتے ہیں اور اچھا خاصا زرِمبادلہ اپنے گھروں کو لے کرجاتے ہیں۔

زمین حرم کی گھاس کو چرانا بھی جائز نہیں ہے، البتہ اذخر کو کاٹنا بھی جائز ہے اور چرانا بھی، اسی طرح کمائی یعنی کھنبی (ایک قسم کا خودرو ساگ) بھی مستثنی ہے کیونکہ یہ نباتات میں سے نہیں ہے ! حضرت امام شافعی کے مسلک میں زمین حرم کی گھاس میں جانوروں کو چرانا بھی جائز ہے۔

ماہ ذوالحجہ کا پہلا عشرہ

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری صاحب

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم (سورۃ الفجر آیت نمبر۲) میں ذی الحجہ کی دس راتوں کی قسم کھائی ہے (وَالفَجرِ وَلَیَالٍ عَشرٍ) جس سے معلوم ہوا کہ ماہ ذی الحجہ کا ابتدائی عشرہ اسلام میں خاص اہمیت کا حامل ہے۔ حج کا اہم رکن: وقوفِ عرفہ اسی عشرہ میں ادا کیا جاتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کے خاص فضل وکرم کو حاصل کرنے کا دن ہے۔ غرض رمضان کے بعد ان ایام میں اخروی کامیابی حاصل کرنے کا بہترین موقع ہے۔ لہٰذا ان میں زیادہ سے زیادہ اللہ کی عبادت کریں، اللہ کا ذکر کریں، روزہ رکھیں، قربانی کریں۔ احادیث میں ان ایام میں عبادت کرنے کے خصوصی فضائل وارد ہوئے ہیں، جن میں سے چند احادیث ذکر کر رہا ہوں:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلمنے ارشاد فرمایا: کوئی دن ایسا نہیں ہے جس میں نیک عمل اللہ تعالیٰ کے یہاں ان دس دنوں کے عمل سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہو۔ (صحیح بخاری)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلمنے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک عشرہ ذی الحجہ سے زیادہ عظمت والے دوسرے کوئی دن نہیں ہیں، لہٰذا تم ان دنوں میں تسبیح وتہلیل اور تکبیر وتحمید کثرت سے کیا کرو۔ (طبرانی) ان ایام میں ہر شخص کو تکبیر تشریق پڑھنے کا خاص اہتمام کرنا چاہیے، تکبیرِ تشریق کے کلمات یہ ہیں: اَللّٰہُ اَکبَرُ۔ اَللّٰہُ اَکبَرُ۔ لَآ اِلٰہ اِلَّا اللّٰہُ۔ وَاللّٰہُ اَکبَر۔ اَللّٰہُ اَکبَر۔ وَلِلّٰہِ الحَمدُ۔

عرفہ کے دن کا روزہ:

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا: عرفہ کے دن کے روزے کے متعلق میں اللہ تعالیٰ سے پختہ امید رکھتا ہوں کہ وہ اس کی وجہ سے ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہوں کو معاف فرمادیں گے۔ (صحیح مسلم) مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ عرفہ کے دن کا ایک روزہ ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہوں کی معافی کا سبب بنتا ہے۔لہٰذا نویں ذی الحجہ کے دن روزہ رکھنے کا اہتمام کریں۔

وضاحت: اختلافِ مطالع کے سبب مختلف ملکوں میں عرفہ کا دن الگ الگ دنوں میں ہو تو اس میں کوئی اشکال نہیں؛ کیونکہ یوم عید الفطر، یوم عید الاضحیٰ، شبِ قدر اور یومِ عاشورہ کے مثل ہر جگہ کے اعتبار سے جو دن عرفہ کا قرار پائے گا، اُس جگہ اُسی دن میں عرفہ کے روزہ رکھنے کی فضیلت حاصل ہوگی، انشاءاللہ۔

قربانی کی حقیقت:

قربانی کا عمل اگرچہ ہر امت کے لیے رہا ہے، جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: (سورۃ الحج ۳۴) ہم نے ہر امت کے لیے قربانی مقرر کی؛ تا کہ وہ چوپایوں کے مخصوص جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے؛ لیکن حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی اہم وعظیم قربانی کی وجہ سے قربانی کو سنتِ ابراہیمی کہا جاتا ہے اور اسی وقت سے اس کو خصوصی اہمیت حاصل ہوگئی؛ چنانچہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی عظیم قربانی کی یاد میں اللہ تعالیٰ کے حکم پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں جانوروں کی قربانی کی جاتی ہے جو قیامت تک جاری رہے گی۔اس قربانی سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہم اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں اپنی جان و مال و وقت ہر قسم کی قربانی کے لیے تیار رہیں۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر سو اونٹوں کی قربانی پیش فرمائی تھی جس میں سے ۶۳ اونٹ کی قربانی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک ہاتھوں سے کی تھی اور بقیہ ۳۷ اونٹ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نحر (یعنی ذبح) فرمائے۔(صحیح مسلم۔حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم) یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد (ذی الحجہ کی دس تاریخ کو کوئی نیک عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک قربانی کا خون بہانے سے بڑھ کر

محبوب اور پسندیدہ نہیں) کا عملی اظہار ہے اور اس عمل میں اُن حضرات کا بھی جواب ہے جو مغربی تہذیب سے متاثر ہوکر کہہ دیتے ہیں کہ جانوروں کی قربانی کے بجائے غریبوں کو پیسے تقسیم کردیے جائیں۔ اسلام نے جتنا غریبوں کا خیال رکھا ہے اس کی کوئی مثال کسی دوسرے مذہب میں نہیں ملتی؛ بلکہ انسانیت کو غریبوں اور کمزوروں کے درد کا احساس شریعتِ اسلامیہ نے ہی سب سے پہلے دلایا ہے۔ غرباء - ومساکین کا ہر وقت خیال رکھتے ہوئے شریعت اسلامیہ ہم سے مطالبہ کرتی ہے کہ ہم عید الاضحیٰ کے ایام میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی عظیم قربانی کی یاد میں اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلمکی اتباع کرتے ہوئے قربانی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں، جیسا کہ ساری انسانیت کے نبی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلمنے ارشاد فرمایا: کسی کام میں مال خرچ کیا جائے تو وہ عید الاضحیٰ کے دن قربانی میں خرچ کیے جانے والے مال سے زیادہ فضیلت نہیں رکھتا۔ (سنن دار قطنی ،سنن کبری للبیہقی)

اِن دِنوں بعض حضرات نے باوجودیکہ انہوں نے قربانی کے سنتِ موکدہ اور اسلامی شعار کا موقف اختیار کیا ہے چودہ سو سال سے جاری وساری سلسلہ کے خلاف اپنے اقوال وافعال سے گویا یہ تبلیغ کرنی شروع کردی ہے کہ ایک قربانی پورے خاندان کے لیے کافی ہے اور قربانی کم سے کم کی جائے جو سراسر قرآن وحدیث کی روح کے خلاف ہے؛ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلمکے اقوال وافعال کی روشنی میں امتِ مسلمہ کا اتفاق ہے کہ ان ایام میں زیادہ سے زیادہ قربانی کرنی چاہیے۔

دیگر اعمال صالحہ کی طرح قربانی میں بھی مطلوب ومقصود رضاء - الہٰی ہونی چاہیے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: (سورۃ الانعام۱۶۲) میری نماز، میری قربانی، میرا جینا، میرا مرنا سب اللہ کی رضامندی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ نیز اللہ جلّ شانہ کا فرمان ہے: (سورۃ الحج ۳۷) اللہ کو نہ اُن کا گوشت پہنچتا ہے نہ اُن کا خون؛ لیکن اس کے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔

قربانی کی اهمیت وفضیلت:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ

عنہما فرماتے ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں دس سال قیام فرمایا (اس قیام کے دوران) آپ صلی اللہ علیہ وسلم قربانی کرتے رہے۔ (ترمذی۔ابواب الاضاحی) غرضیکہ حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کے قیام کے دوران ایک مرتبہ بھی قربانی ترک نہیں کی باوجویکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلمکے گھر میں بوجہ قلت طعام کئی کئی مہینے چولہا نہیں جلتا تھا۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ قربانی کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔صحابہ کرام نے عرض کیا: ہمیں قربانی سے کیا فائدہ ہوگا؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلمنے ارشاد فرمایا: ہر بال کے بدلے میں ایک نیکی ملے گی۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اون کے بدلے میں کیا ملے گا؟ حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اون کے ہر بال کے بدلے میں (بھی) نیکی ملے گی۔(سنن ابن ماجہ۔باب ثواب الاضحیہ)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلمنے ارشاد فرمایا: ذی الحجہ کی دس تاریخ کو کوئی نیک عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک قربانی کا خون بہانے سے بڑھ کر محبوب اور پسندیدہ نہیں اور قیامت کے دن قربانی کرنے والا اپنے جانور کے بالوں، سینگوں اور کھروں کو لے کر آئے گا (اور یہ چیزیں اجروثواب کا سبب بنیں گی) اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے نزدیک شرفِ قبولیت حاصل کرلیتا ہے، لہٰذا تم خوش دلی کے ساتھ قربانی کیا کرو۔(ترمذی۔باب ما جاء فی فضل الاضحیہ)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کسی کام میں مال خرچ کیا جائے تو وہ عید الاضحیٰ کے دن قربانی میں خرچ کیے جانے والے مال سے زیادہ فضیلت نہیں رکھتا۔ (سنن دارقطنی باب الذبائح، سنن کبری للبیہقی ج ۹

ص۱۶۲)

قربانی کا وجوب:

قربانی کوواجب یاسنتِ موکدہ قرار دینے میں زمانہ قدیم سے اختلاف چلا آرہا ہے؛ مگر پوری امتِ مسلمہ متفق ہے کہ قربانی ایک اسلامی شعار ہےاور جوشخص قربانی کرسکتا ہےاس کو قربانی کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کرنی چاہیے خواہ اس کو واجب کہیں یاسنتِ موکدہ یا اسلامی شعار۔ حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں ہمیشہ قربانی کیا کرتے تھے باوجود یکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلمکے گھر میں اشیاء خوردنی نہ ہونے کی وجہ سے کئی کئی مہینے تک چولہانہیں جلتا تھا۔

اسّی ہجری میں پیدا ہوئے حضرت امام ابوحنیفہ نے قرآن وحدیث کی روشنی میں قربانی کو واجب قرار دیا ہے،حضرت امام مالک اورحضرت امام احمد ابن حنبل کی ایک روایت بھی قربانی کے وجوب کی ہے۔ ہندوپاک کے جمہور علماء - نے بھی وجوب کے قول کواختیار کیا ہے؛ کیونکہ یہی قول احتیاط پر مبنی ہے۔علامہ ابن تیمیہ نے بھی قربانی کے وجوب کے قول کو اختیار کیا ہے۔قربانی کے وجوب کے لیے متعدد دلائل میں سے چند پیش ہیں:

(۱) اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن کریم (سورۃ الکوثر) میں ارشاد فرماتا ہے: آپ اپنے رب کے لیے نماز پڑھیں اور قربانی کریں۔ اس آیت میں قربانی کرنے کا حکم دیا جارہا ہےاورامر عموماً وجوب کے لیے ہوا کرتا ہے، جیسا کہ مفسرینِ کرام نے اس آیت کی تفسیر میں تحریر کیا ہے۔علامہ ابوبکر جصاص (ولادت ۳۰۵ھ) اپنی کتاب(احکام القرآن) میں تحریر کرتے ہیں : حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ اس آیت (فَصَلِّ لِرَبِّکَ) میں جونماز کا ذکر ہے،اس سےعید کی نماز مراد ہےاور(وَانحَر) سےقربانی مراد ہے۔ مفسرقرآن شیخ ابوبکر جصاص فرماتے ہیں کہ اس سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں: (۱) عید کی نماز واجب ہے۔(۲) قربانی واجب ہے۔

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: جس شخص کوقربانی کی وسعت حاصل ہواور وہ قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ بھٹکے۔ (سنن ابن ماجہ۔ باب

الاضاحی ہی واجبہ ام لا، مسند احمد ج ۲ ص ۱۲۳، السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۲۶۰ کتاب الضحایا)

وسعت کے باوجود قربانی نہ کرنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت وعید ارشاد فرمائی اور اس نوعیت کی سخت وعید واجب کے چھوڑنے پر ہی ہوتی ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ قربانی کرنا واجب ہے۔

(۳) حضرت جندب بن سفیان البجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں عیدالاضحیٰ کے دن حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے عید کی نماز سے پہلے (قربانی کا جانور) ذبح کر دیا تو اسے چاہیے کہ اس کی جگہ دوسری قربانی کرے اور جس نے (عید کی نماز سے پہلے) ذبح نہیں کیا تو اسے چاہیے کہ وہ (عید کی نماز کے) بعد ذبح کرے۔ (صحیح بخاری۔ باب من ذبح قبل الصلاۃ اعاد) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدالاضحیٰ کی نماز سے قبل جانور ذبح کرنے پر دوبارہ قربانی کرنے کا حکم دیا؛ حالانکہ اُس زمانہ میں صحابہ کرام کے پاس مالی وسعت نہیں تھی۔ یہ قربانی کے وجوب کی واضح دلیل ہے۔

(1) حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہ وسلم نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن قرآنِ مجید اور اس پر عمل کرنے والوں کو لایا جائے گا، ان کے آگے سورہ بقرہ اور سورہ آلِ عمران ہوں گی۔ حضرت نواس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہ وسلم نے ان سورتوں کے لئے تین مثالیں بیان فرمائیں جنھیں میں آج تک نہیں بھولا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ دونوں سورتیں ایسی ہیں جیسے دو بادل ہوں یا دو ایسے سائبان ہوں جن کے درمیان روشنی ہو یا صف باندھے ہوئے دو پرندوں کی قطاریں ہوں، یہ دونوں سورتیں اپنے پڑھنے والوں کی شفاعت کریں گی۔ (مسلم شریف، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرہا، باب فضل قراءۃ القرآن وسورۃ البقرۃ)

ذبح عظیم۔ حضرت اسماعیل تا حضرت حسین رضی اللہ عنہ

از: مولانا ڈاکٹر محمد عبدالمجید نظامی صاحب

اللہ تبارک تعالیٰ اپنے بندوں کی دعائیں بھی قبول کرتا ہے اور انہیں آزمائش میں بھی ڈالتا ہے۔ ان کی قوت ایمانی کا امتحان بھی لیتا ہے اور انہیں ارفع واعلیٰ مقامات پر فائز بھی کرتا ہے۔ انبیائے کرام کو اللہ تعالیٰ نے جس طرح کائنات میں سب سے بلند مراتب پر فائز فرمایا اور اپنے قرب و وصال کی نعمتوں سے نوازا اسی طرح انہیں بڑی کٹھن منزلوں سے بھی گزرنا پڑا۔

انہیں بڑی سے بڑی قربانی کا حکم ہوا لیکن ان کے مقام بندگی کا یہ اعجاز تھا کہ سرمو حکم ربی سے انحراف یا تساہل نہیں برتا، ان کی اطاعت، خشیت اور محبت کا یہی معیار تھا کہ انہوں نے اپنی پوری زندگی اور اس میں موجود جملہ نعمتوں کو اپنے مولا کی رضا کیلئے وقف کیے رکھا، حتی کہ اولاد جیسی عزیز ترین متاع کے قربان کرنے کا حکم بھی ملتا تو ثابت کر دیا کہ یہ بھی اس کی راہ پر قربان کی جاسکتی ہے۔

جملہ انبیائے کرام اپنی شان بندگی میں یکتا اور بے مثال تھے لیکن سلسلہ انبیاء میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی داستان عزیمت بہت دلچسپ اور قابل رشک ہے۔ ان کے لیے اللہ کی راہ میں بیٹے کو قربان کرنے کا حکم ایک بہت بڑی آزمائش تھی لیکن سیدنا ابراہیم علیہ السلام اس آزمائش میں بھی پورا اترے کیسے؟ قرآن کی زبانی ملاحظہ فرمائیں۔

اے میرے پروردگار مجھ کو نیک بیٹا عطا فرما۔ پس ہم نے ان کو ایک بردبار بیٹے کی بشارت دی۔ پھر جب وہ (اسمٰعیل) ان کے ساتھ دوڑنے (کی عمر) کو پہنچے فرمایا اے میرے بیٹے، میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں پس تم بھی غور کرلو کہ تمہارا کیا خیال ہے (اسمٰعیل نے بلاتردد) عرض کیا اے ابا جان (پھر دیر کیا ہے) جو کچھ آپ کو حکم ہوا کر ڈالئے (جہاں تک میرا تعلق ہے) آپ ان شاء اللہ مجھے صبر کرنے

والوں میں پائیں گے۔ پھر جب دونوں نے (اللہ کا) حکم مان لیا اور (ابراہیم نے) ان کو ماتھے کے بل لٹایا۔ اور ہم نے ان کو ندا دی کہ اے ابراہیم (کیا خوب) تم نے اپنا خواب سچا کر دکھایا۔ ہم نیکوکاروں کو یوں ہی بدلہ دیتے ہیں۔ (بے شک باپ کا بیٹے کے ذبح کے لئے تیار ہو جانا) یہ ایک بڑی صریح آزمائش تھی (حضرت ابراہیم اس آزمائش میں پورا اترے) اور ہم نے ایک عظیم قربانی کو ان کا فدیہ (بنا) دیا۔

پیکرِ تسلیم و رضا :۔

حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام اللہ رب العزت کے جلیل القدر پیغمبر تھے۔ ہمارے آقا و مولا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جد امجد، ابتلا و آزمائش کے ان گنت مراحل سے گزرے، سفر ہجرت اختیار کیا، اپنی اہلیہ حضرت ہاجرہ اور ننھے فرزند ارجمند حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بے آب و گیاہ صحرا میں چھوڑا۔

تبلیغ دین کا ہر راستہ دراصل انقلاب کا راستہ ہے اور شاہراہ انقلاب پھولوں کی سیج نہیں ہوتی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پوری زندگی اسی انقلابی جدوجہد سے عبارت ہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام بارگاہ خداوندی میں التجا کرتے ہیں کہ باری تعالیٰ مجھے ایک نیک، صالح اور پاکباز بیٹے سے نواز، اللہ پاک دعائے ابراہیمی کو شرف قبولیت عطا فرماتے ہیں، بارگاہ خداوندی سے انہیں اطاعت گزار بیٹا عطا ہوتا ہے جن کا نام اسماعیل رکھا جاتا ہے۔ باپ کی آنکھوں کا نور، اور اس کی دیرینہ محبتوں اور چاہتوں کا مرکز، حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آخری عمر کا سہارا بھی تھے۔

باپ اور بیٹے کے درمیان اس بے پناہ محبت کو دیکھ کر اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا کہ ابراہیم! اپنے لخت جگر اسماعیل کو ہماری راہ میں قربان کر۔

غور کیا جائے تو یہ مقام حیرت و استعجاب ہے۔ اللہ کا پیغمبر یہ اچھی طرح جانتا ہے کہ آج تک کسی انسان کی قربانی کا حکم نہیں دیا گیا، وہ اس پر لیت ولعل سے بھی کام لے سکتے تھے اور اس کا قرینہ بھی تھا کیونکہ یہ حکم آپ کو خواب میں دیا گیا تھا لیکن دیکھیے پیغمبر کے ایمان و عمل کی رفعتیں!

انہوں نے ایک لمحہ توقف کیے بغیر سارا ماجرا اپنے بیٹے اسماعیل کو سنایا لیکن انہیں حکم نہیں دیا بلکہ ان سے

رائے پوچھی۔قربان جائیں اس پیغمبرزادے کی ایمانی عظمتوں پر بھی جنہوں نے باپ کے خواب کواللہ کا حکم سمجھتے ہوئے سرِتسلیم خم کر کے تاریخ انسانیت میں ذبیح اللہ کا منفرد اعزاز حاصل کیا۔

حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام سے مخاطب ہوتے ہیں کہ بیٹا! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تجھے اللہ کی راہ میں ذبح کر رہا ہوں۔ باپ بیٹا دونوں جانتے ہیں کہ پیغمبر کا خواب اللہ کی وحی ہوتا ہے اس لئے باپ بیٹے سے پوچھتا ہے بیٹا! بتا تیری کیا رائے ہے؟ اطاعت گزار بیٹا جواب دیتا ہے ابا جان! آپ اپنے رب کے حکم کی تعمیل کیجئے آپ مجھے ان شاء - اللہ صبر کرنے والوں میں پائیں گے۔قرآن بتا تا ہے کہ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے حضرت اسماعیل کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے کے لئے اوندھے منہ لٹا دیتے ہیں اور اپنے لاڈلے بیٹے کو ذبح کرنے کے لئے چھری ہاتھ میں لیتے ہیں۔غیب سے آواز آتی ہے ابراہیم! تو نے اپنا خواب اور اللہ کا امر سچا کر دکھایا، ہم اسی طرح نیکوکاروں کو جزاء - دیتے ہیں،اپنے بیٹے کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے کا حکم اللہ کے نبی کی بہت بڑی آزمائش اورایک بہت بڑاامتحان تھا۔

حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام اس بڑے نازک امتحان میں کامیاب وکامران رہے۔آسمان سے ایک مینڈھا آتا ہے اورحضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جگہ اس مینڈے کو ذبح کرتے ہیں، ارشاد ہوتا ہے ابراہیم! تمہاری قربانی قبول ہوگئی۔ہم نے اسماعیل کی ذبح کو ''ایک عظیم ذبح،، کے ساتھ فدیہ کر دیا۔سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی بھی بارگاہ خداوندی میں مقبول ومنظور ہوگئی اور ان کے فرزندار جمند حضرت اسماعیل علیہ السلام کی زندگی بھی بچ گئی۔

حیات اسماعیل علیہ السلام کو تحفظ کیوں دیا گیا؟

اب ذہن انسانی میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگرحضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو بچانا ہی مقصود تھا تو پھران کواللہ کی راہ میں قربان کرنے کا حکم کیوں ہوا؟اوراگرحکم ہوا تھا تو ان کی زندگی کو تحفظ کیوں دیا گیا۔آخراس کی وجہ کیا ہے؟حکم اس لئے ہوا کہ سراپائے ایثار وقربانی پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لخت جگر سے ذبح کی تاریخ کی ابتدا ہوجائے کہ راہ حق میں قربانیاں دینے

کا آغاز انبیاء کی سنت ہے اور بچا اس لئے گیا کہ اس عظیم پیغمبر کی نسل پاک میں نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت ہونا تھی۔

اولاد ابراہیم علیہ السلام میں تاجدار کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تشریف لانا تھا اس لئے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ذبح کو جنت سے لائے گئے مینڈھے کی قربانی کی صورت میں ’’عظیم ذبح،، کے ساتھ بدل دیا گیا اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام محفوظ و مامون رہے۔

تعمیر کعبہ سے کائنات کی امامت تک:۔

سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام سن بلوغت کو پہنچے، تو مکہ معظّمہ کی وادی میں اپنے والد بزرگوار حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ تشریف لائے۔ اللہ رب العزت کی طرف سے انہیں کعب؟ اللہ کی تعمیر کا حکم ہوا، یہ ایک بہت بڑا اعزاز تھا جو سرور کائنات حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جد امجد کے حصہ میں آیا۔ انھی کی نسل پاک میں مبعوث ہونے والے پیغمبر اعظم و آخر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حصے میں یہ سعادت بھی آئی کہ کعبۃ اللہ کو تین سو ساٹھ بتوں سے پاک کر کے اس پر پرچم توحید لہرایا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیات مقدسہ پر ایک نظر ڈالیں تو کار نبوت کی انجام دہی میں انہیں ان گنت مصائب کا سامنا رہا اور آزمائش کے کٹھن مراحل سے گزرنا پڑا۔ اللہ کے اس عظیم پیغمبر نے راہ حق میں آنے والی ان مشکلات کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کیا اور ہر آزمائش پر پورا اترے۔

کامیابی نے قدم قدم پر ان کے قدموں کو بوسہ دینے کا اعزاز حاصل کیا چنانچہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے بار بار سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی داستان عزیمت کو شاندار الفاظ میں دھرایا ہے سورہ بقرہ میں ارشاد خداوندی ہے۔

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ابراہیم کو ان کے رب نے کئی باتوں میں آزمایا تو انہوں نے وہ پوری کردیں، (اس پر) اللہ نے فرمایا میں تمہیں لوگوں کا پیشوا بناؤں گا، انہوں نے عرض کیا (کیا) میری اولاد میں سے بھی؟ ارشاد ہوا (ہاں مگر) میرا وعدہ ظالموں کو نہیں پہنچتا۔ (اور یاد کرو) جب ہم نے اس گھر (خانہ کعبہ) کو لوگوں کیلئے رجوع (اور اجتماع) کا مرکز اور جائے

امان بنا دیا، اور (حکم دیا کہ) ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو مقام نماز بنالو، اور ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل کو تاکید فرمائی کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے پاک (صاف) کردو۔ اور جب ابراہیم نے عرض کیا اے میرے رب! اسے امن والا شہر بنا دے اور اس کے باشندوں کو طرح طرح کے پھلوں سے نواز (یعنی) ان لوگوں کو جو ان میں سے اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لائے، (اللہ نے) فرمایا اور جو کوئی کفر کرے گا اس کو بھی زندگی کی تھوڑی مدت (کیلئے) فائدہ پہنچاؤں گا پھر اسے (اس کفر کے باعث) دوزخ کی عذاب کی طرف (جانے پر) مجبور کردوں گا اور وہ بہت بری جگہ ہے۔

اور (یاد کرو) جب ابراہیم اور اسمٰعیل خانہ کعبہ کی بنیادیں اٹھارہے تھے (تو دونوں دعا کر رہے تھے) کہ اے ہمارے رب! تو ہم سے (یہ خدمت) قبول فرمالے، بے شک تو خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔ اے ہمارے رب ہم دونوں کو اپنے حکم کے سامنے جھکنے والا بنا اور ہماری اولاد سے بھی ایک امت کو خاص اپنا تابع فرمان بنا، اور ہمیں ہماری عبادت (اور حج کے) قواعد بتا دے اور ہم پر (رحمت و مغفرت) کی نظر فرما، بے شک تو ہی بہت توبہ قبول فرمانے والا مہربان ہے۔ اے ہمارے رب، ان میں انہی میں سے (وہ آخری اور برگزیدہ) رسول مبعوث فرما جو ان پر تیری آیتیں تلاوت فرمائے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے (کر دانائے راز بنا دے) اور ان (کے نفوس و قلوب) کو خوب پاک صاف کردے، بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔(سورۃ البقرۃ)

آزمائش کا مرحلہ گزر گیا۔ کامیابی کا نور سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مقدس پیشانی پر چمکنے لگا، اس وقت پیغام حق آیا کہ ابراہیم! ہم نے تیری عبدیت کو پرکھ لیا، ہم نے تیری شان خلیلی کا امتحان لے لیا۔ ہم نے دیکھ لیا کہ تیرے دل میں ہماری محبت کے کتنے سمندر موجزن ہیں، ہم نے تیری قربانیوں کا بھی مشاہدہ کیا، قدم قدم پر تیرے صبر و استقامت کو بھی دیکھا۔ ہم نے تیرے توکل اور کلمہ شکر کی ادائیگی کا حسن بھی دیکھا۔ ان تمام آزمائشوں پر پورا اترنے کے بعد آ! ابراہیم اب ایک خوشخبری بھی سن لے، ایک مژدہ جانفزا بھی سماعت کر، وہ خوشخبری کیا ہے، وہ

مژدہ جانفزا کیا ہے؟ وہ خوشخبری یہ ہے کہ ابراہیم! میں تجھے نسل بنی آدم کی امامت عطا کرتا ہوں۔ پوری انسانیت کی امامت،

تمام امتوں کی امامت، اقوام عالم کی امامت۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا باری تعالیٰ یہ امامت صرف میرے لئے ہے یا میری ذریت اورنسل کے لئے بھی؟ ارشاد ہوا ابراہیم! ہم نے تجھے بھی امامت دی اور یہ امامت تیری ذریت اورنسل کو بھی عطا کی، مگرشرط یہ ہے کہ یہ امامت اس کا مقدر بنے گی جو تیرے نقش قدم پر چلے گا جو صراط مستقیم کواپنائے گا وہ دنیا کی امامت پائے گا لیکن جو تیری راہ سے منحرف ہوگا، امامت کا بھی حق دار نہ ہوگا۔

پھر تعمیر کعبہ کا حکم ہوا۔عظیم باپ اور عظیم بیٹا تعمیر کعبہ میں مصروف ہو گئے ایک ایک پتھر لاتے اور کعبہ کی دیواریں تعمیر کرتے۔ دیواریں بلند ہو گئیں، ایک پتھر عطا ہوا جس پر کھڑے ہو کر تعمیر کا کام ہو رہا تھا۔ جوں جوں دیواریں اونچی ہو رہی تھیں توں توں یہ پتھر بھی بلند ہوتا جاتا اور سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام تعمیر کعبہ میں اپنے والد گرامی کی معاونت فرماتے، پتھر ڈھونڈ ڈھونڈ کر لاتے جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام تعمیر کعبہ میں مصروف ہوتے تو یہ کلمات ان کی زبان اقدس پر جاری ہوتے مولا! ہم تیرے گھر کی تعمیر کر رہے ہیں ہماری یہ مشقت قبول فرما، ہماری اس مزدوری کو قبولیت کا شرف عطا کر، یا باری تعالیٰ!

ہماری جبینیں تیرے حضور جھکی رہیں، ہمارے سجدوں کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما۔ ہماری آل اور ذریت میں سے امت مسلمہ پیدا کر۔ پھر اگلی آیت میں حکم ہوا تم نے آج ہمارا گھر تعمیر کیا ہے جو مانگنا ہے مانگ لو، اپنی مشقت کا صلہ طلب کرلو، بارگاہ خداوندی میں ہاتھ اٹھ گئے ترجمہ: باری تعالیٰ ہم نے تیرے گھر کی دیواریں بلند کی ہیں ہم نے اپنی ذریت میں سے امت مسلمہ مانگ لی ہے۔

اے خدائے رحیم وکریم، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر مجھ تک ہر زمانے میں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور کا اعلان کرتا رہا ہے، یہ سلسلہ نبوت و رسالت اس مقدس ہستی پر جا کر ختم ہو جائے گا۔ وہ رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس کی خاطر تو

نے یہ بزم کائنات سجائی۔

کرہ ارض پر ہزار ہا انبیاء کومبعوث فرمایا وہ رسول آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس کے لئے تو نے ملتوں کو پیدا کیا۔ دنیائے رنگ و بوکوآراستہ کیا، آبشاروں کوتکلم کا ہنر بخشا، ہواؤں کو چلنے کی خو عطا فرمائی۔ وہ رسول برحق جس کی خاطر تو نے اپنا جلوہ بے نقاب کیا، جس کی خاطر تو نے اپنی مخلوقات کو پردہ عدم سے وجود بخشا، جس کی خاطر تو نے انسانوں کے لئے ہدایت آسمانی کے سلسلے کا آغاز کیا، اس رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوراس نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس کائنات رنگ وبو میں ظہور ہونے والا ہے، باری تعالیٰ نے فرمایا ہاں ابراہیم ہمارا وہ محبوب رسول آنے والا ہے، بتا ابراہیم! تو کیا چاہتا ہے۔

فرمایا رب کائنات! اگر تو تعمیر کعبہ کی ہمیں مزدوری دینا چاہتا ہے، اگر تعمیل حکم میں ہمیں تو کچھ عطا کرنا چاہتا ہے تو اے پروردگار اپنے اس آخری رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میری اولاد میں مبعوث ہونے کا شرف عطا فرما۔ میری ذریت کونور محمدی کے جلووں سے ہمکنار کردے، میری اولاد کوحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قدم بوسی کی سعادت بخش دے، مولا! مجھے اپنا محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دے دے۔

ارشاد ہوا، ابراہیم تو نے تین چیزیں

(1) نبوت ورسالت

(2) ختم نبوت اور

(3) امت مسلمہ اپنی ذریت کے لئے مانگ لی ہیں، ابراہیم تو نے میری محبت اور رضا کیلئے میرا گھر تعمیر کیا ہے اور دعا بھی وہ مانگی ہے جسے میں رد نہیں کرسکتا اس لئے ابراہیم! جا ہم نے تجھے تیری مزدوری کے صلے میں یہ تینوں چیزیں عطا کردیں۔

پتھر کی عظمت:۔

روایات میں ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے جس پتھر پر کھڑے ہوکر اپنی نسل میں تاجدار کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کی دعا مانگی تھی یہ وہی پتھر تھا جس پر کھڑے ہوکر آپ نے تعمیر کعبہ کا کام سرانجام دیا تھا۔ اس مقدس پتھر کی عظمت پر جان و دل نثار جس پر کھڑے ہوکر اپنی اولاد میں نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبعوث ہونے کی دعا مانگی جارہی ہے۔ رب نے کہا اے بے جان پتھر تجھے خبر ہے تجھ پر کھڑے ہوکر ابراہیم علیہ السلام نے ہم سے کیا مانگ لیا ہے اس لمحے کو اپنے

سینے میں محفوظ کرلے کہ یہ لمحہ قبولیت کا لمحہ ہے۔اس لمحے ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کا ذکر ہورہا ہے۔

اس وقت رسول کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تذکار جلیلہ سے روح کائنات معطر ہے، قدرت خداوندی سے پتھر موم ہوگیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشان قیامت تک کے لئے اس میں پیوست ہو گئے۔

اس پتھر کا اعزاز یہ تھا کہ اس پر کھڑے ہوکر اللہ کے ایک جلیل القدر پیغمبر نے اس کے محبوب کا تذکرہ چھیڑ دیا تھا۔ اللہ کے نبی کی نسبت سے وہ پتھر بھی محترم ہوگیا۔ بے شمار پتھروں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشان لگے ہونگے، ان گنت پتھروں نے کف پائے ابراہیم علیہ السلام کو بوسہ دینے کا اعزاز حاصل کیا ہوگا لیکن امتداد زمانہ کے ساتھ وہ نقوش مٹتے گئے، ماہ وسال کی گرد انہیں اپنے دامن میں چھپاتی رہی مگر جس پتھر پر کھڑے ہوکر سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے طلوع صبح میلاد کی دعا مانگی تھی، اللہ سے اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مانگا تھا۔کونین کی دولت کو اپنے دامن میں سمیٹنے کی آرزو کی تھی وہ پتھر حرم اقدس میں مقام ابراہیم پر قیامت تک کے لئے محفوظ کردیا گیا۔

ہم نے ابراہیم علیہ السلام کی دعا کو قبولیت کی خلعت فاخرہ عطا کی، اور جو پتھر ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا نشان تھا اسے صحن کعبہ میں قیامت تک کے لئے محفوظ کردیا اور باقی تمام پتھر حدود کعبہ سے ہٹا دیئے کیونکہ کعبہ میری سجدہ گاہ ہے۔ یہ میری توحید کا مرکز ہے، اس کی سمت منہ کر کے عبادت کی جاتی ہے یہ محور حق ہے۔

خلقت کا منبع ومرکز ہے،مشرق سے مغرب تک لوگ میرے کعبے میں حج وعبادت کے لیے آئینگے،حرم کی زمین کو اپنے سجدوں سے بسائینگے۔ یہ فضاء ان کے نالہ ہائے نیم شبی سے معمور ہوگی۔ میں انہیں یہ پتھر دکھاؤں گا جو دعائے خلیل علیہ السلام کی یادگار ہے جس پر کھڑے ہوکر اس نے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اپنی نسل میں مبعوث ہونے کی دعا مانگی تھی۔اے حرم کعبہ تک آنے والو! اے میرے گھر کی زیارت کی سعادت حاصل کرنے والو! یہ صدقہ ہے اس پتھر کا جن پر ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشان ہیں کیونکہ یہ دعائے مصطفےٰ کا نقش ہے۔

حکم ہوا سوال ہوا کہ باری تعالیٰ اس پتھر کو کیسے محفوظ کریں۔فرمایا اس پتھر کو کعبے کے سامنے گاڑ دو، اس وقت تک میرے گھر کا طواف مکمل نہیں ہوگا جب تک طواف کرنے والے اس پتھر کے سامنے میرے حضور سجدہ ریز نہ ہوں گے تاکہ دنیا کو معلوم ہو جائے کہ یہ تمام انعامات واکرامات صدقہ ہے اس پتھر کا۔

دعائے خلیل کی قبولیت

دعائے خلیل کو خلعت قبولیت عطا ہوئی، کونین کی دولت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے دامن طلب میں ڈال دی گئی یہ دعا پہلے پارے کے آخر میں آئی ہے دوسرے پارے کے شروع میں اس کا جواب بھی آ گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اسی طرح ہم نے تمہارے اندر تمہیں میں سے (اپنا) رسول بھیجا جو تم پر ہماری آیتیں تلاوت فرماتا ہے اور تمہیں (نفسا وقلبا) پاک صاف کرتا ہے اور تمہیں کتاب کی تعلیم دیتا ہے اور حکمت و دانائی سکھاتا ہے اور تمہیں وہ (اسرار معرفت وحقیقت) سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے۔

سوتم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد رکھوں گا اور میرا شکر ادا کیا کرو اور میری ناشکری نہ کیا کرو۔ اے ایمان والو صبر اور نماز کے ذریعے (مجھ سے) مدد چاہا کرو، یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ (ہوتا) ہے۔ اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مت کہا کرو کہ یہ مردہ ہیں،(وہ مردہ نہیں) بلکہ زندہ ہیں لیکن تمہیں (ان کی زندگی کا) شعور نہیں۔

اور ہم تمہیں ضرور بالضرور آزمائیں گے کچھ خوف اور بھوک سے اور کچھ مالوں اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے،اور (اے حبیب) آپ (ان) صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیں۔جن پر کوئی مصیبت پڑتی ہے تو کہتے ہیں بے شک ہم بھی اللہ ہی کا (مال) ہیں اور ہم بھی اس کی طرف پلٹ کر جانے والے ہیں۔

یہی وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے پے در پے نوازشیں ہیں اور رحمت ہے، اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔(سورۃ البقرۃ)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ سے قوموں کی امامت کا سوال کیا، امامت کی دو شکلیں کر دی گئیں۔کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کے ساتھ نبوت کو ختم ہونا تھا اور تاجدار کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر اقدس پر ختم نبوت کا تاج سجایا جانا مقصود تھا اس لئے امامت کے دو جزو کر دیئے گئے۔ایک امامت سے نبوت اور دوسری امامت سے ولایت۔حکمت یہ تھی کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نبوت کا سلسلہ ختم ہو جائے تو پھر فیض نبوت بشکل امامت میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کو ملنا شروع ہو جائے یوں سورہ بقرہ آیت 151 سے 157 تک دعائے ابراہیم کا جواب ہے۔

دعا تو فقط یہ تھی کہ مولا! اپنا وہ پیغمبر، رسول آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری آل میں میری نسل میں مبعوث فرما۔ اللہ رب العزت نے جواب میں فرمایا کہ دو چیزیں عطا کرتا ہوں ایک نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت اور پھر شہادت۔فرمایا۔آگے اس سے متعلق فرمایا اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعہ مدد مانگنا جو اللہ کی راہ میں شہید ہوں انہیں مردہ نہ کہو وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں ان کی زندگی کا شعور نہیں،،

سورہ آلِ عمران میں حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادت، ان کی پرورش، جس جگہ حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق ملتا وہاں کھڑے ہو کر حضرت زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اولاد کے لئے دعا کرنا، حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت کی بشارت ملنا، اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزات و واقعات کا بیان ہے۔ اس کے علاوہ اس سورت میں یہ مضامین بیان کئے گئے ہیں:

اسلام اور تصور قربانی

مولانا مفتی محمد انوار احمد قادری صاحب

ماہ ذوالحجہ کی انفرادیت اور امتیاز:۔

قربانی کی مناسبت سے ماہ ذوالحجہ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس قدر برکتیں اور سعادتیں عطا کر رکھی ہیں کہ آقائے دو جہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ”پہلی رات کے چاند کے ساتھ ذوالحجہ کا آغاز ہوتا ہے تو اس کی پہلی دس راتوں میں سے ہر رات اپنی عظمت میں لیلۃ القدر کے برابر ہے“۔لیلۃ القدر کی مناسبت سے جہاں ماہ رمضان المبارک کو منفرد شان والی ایک رات لیلۃ القدر نصیب ہوئی ہے جس کے اندر چند ساعتیں اللہ کے بندوں کی مغفرت و بخشش کا سامان لئے ہوئے وارد ہوتی ہیں اور جن میں اخلاص کے ساتھ بندہ اپنے رب سے جو بھی بھلی شے طلب کرتا ہے وہ اسے عطا کر دی جاتی ہے۔ ادھر ماہ ذوالحجہ کی پہلی دس راتوں کو عظمت وفضیلت کا وہ خزانہ عطا کیا گیا ہے کہ ہر ایک رات رمضان المبارک کی لیلۃ القدر کے برابر ہے۔جس طرح رمضان المبارک کی برکتوں کو سمیٹ کر عیدالفطر میں رکھ دیا گیا اور اس دن کو خوشی کے دن کے طور پر مقرر کر دیا گیا۔ان دس راتوں کے اختتام پر اللہ رب العزت نے عیدالاضحیٰ کے دن کو مسرت و شادمانی کے دن کی صورت میں یادگار حیثیت کر دی۔اس دن کو عرف عام میں قربانی کی عید کہتے ہیں۔

عیدالاضحی اور قربانی کا باہمی تعلق:۔

اس دن قربانی ادا کی جاتی ہے اور مسلمانانِ عالم کو قربانی کا فریضہ سرانجام دے کر اتنی خوشی نصیب ہوتی ہے کہ سارے سال میں کسی اور دن نہیں ہوتی۔قربانی عربی زبان کا لفظ ہے۔ جو ”قرب“ سے مشتق ہے۔”قرب“ کس چیز کے نزدیک ہونے کو کہا جاتا ہے۔اس کے برعکس دوری ہے۔

قرب اور دوری دونوں یکجا نہیں ہوسکتے۔ قرب سے قربانی کا لفظ مبالغے کے طور پر واقع ہوا ہے۔ اس تصور کو کچھ مثالوں سے سمجھا جاسکتا ہے۔ مثلاً ''قرات'' کے معنی فقط ''پڑھنا'' ہےاور قرآن کے معنی اس کتاب کے ہیں جسے بار بار، تواتر اور کثرت سے پڑھا جائے اور اتنا پڑھا جائے کہ قیامت تک اس کا پڑھنا ختم ہی نہ ہو۔ باری تعالیٰ نے کتاب الٰہی کا نام انہیں وجوہ کی بنیاد پر قرآن رکھا ہے کہ کثرت قرات کے اعتبار سے دنیا کی کوئی کتاب اس کے برابر نہیں۔

دنیا میں دیگر الہامی کتابیں بھی نازل ہوئی ہیں جن میں انجیل، تورات اور دیگر الہامی صحیفے ہیں جو انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئے مگر کوئی الہامی کتاب، کتاب الٰہی کے طور پر قرآن مجید کا بدل نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود اس کا نام قرآن رکھا ہے تو یہ ممکن ہی نہ تھا کہ کتب ساویہ میں سے کوئی اور کتاب اس سے زیادہ پڑھی جاتی۔ اسی طرح پیاسے کے لئے عربی زبان میں لفظ ''عطش'' استعمال ہوتا ہے۔ ''عطش'' سے عطشان مبالغے کے طور پر واقع ہوا ہے، جس کا مطلب ہے حد سے زیادہ پیاسا۔

ان مثالوں سے یہ بات واضح کرنا مقصود ہے کہ جب کوئی لفظ ''فُعلَان'' (مبالغہ) کے وزن پر آئے تو یہ کثرت کے معنی دینے لگتا ہے۔

عید قربان کی معنوی اہمیت:۔

اللہ رب العزت نے امت مصطفوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو دو عیدیں عطا فرمائیں۔ ایک کا تعلق رمضان سے ہے جو کہ ''فعلان'' وزن پر ہے۔ رمضان کے کئی معانی ہیں ایک معنی جلا دینے کا ہے جو آگ کی تپش اور اس کی جلا دینے کی صفت سے متعلق ہے۔ گویا اس مہینے کو اس لئے رمضان کہا جاتا ہے کہ یہ ہر گناہ کو جلا کر رکھ دیتا ہے۔ رمضان کی یہ تپش جو گناہوں کو جلا دیتی ہے۔ باری تعالیٰ کی رحمت اور لطف و کرم کی تپش ہے۔ تپش کس طرح رحمت بنتی ہے؟ اس کا اندازہ آپ سخت سردی کی سرد مستانی ہواؤں میں کر سکتے ہیں۔ جب آپ گرم اونی لباس پہنتے ہیں، انگیٹھی کے قریب بیٹھتے ہیں، رات لحاف اوڑھتے ہیں اور دن میں سورج کی تپش آپ کے لئے رحمت کا سامان بن کر آپ کو سردی کی شدت سے محفوظ رکھتی ہے۔ وہی تپش جو

گرمیوں میں زحمت ہے موسم سرما میں رحمت بن جاتی ہے۔اس اعتبار سے عیدقربان کا معنی یہ ہوا کہ ذوالحجہ کے مہینے میں ''فُعلاَ ن'' کے وزن پر قربانی کےعمل کےاعتبار سےاس کےاندروہ خاصیت رکھ دی گئی کہ بندہ اس ماہ ذوالحجہ میں کوئی عمل کرے تو اس عمل کی برکت سے یہ عیدقربان اس بندے کواللہ کےاتنے قریب کردیتی ہے کہ کوئی اورلمحہ اسے اتنے قرب سے آشنا نہیں کرسکتا۔ دوسرے لفظوں میں عیدالاضحٰی میں قربانی کا عمل بندے کواپنے رب کے قریب کرنے والاعمل ہے جس سے ساری دوریاں ختم ہوجاتی ہیں۔

انسانی شخصیت پر اعمال کے اثرات :۔

بہت سارے ایسے اعمال ہیں جن میں اکثر کا مقصد قرب الٰہی کا حصول ہے۔یعنی کئی اعمال ایسے ہیں جن کے صدور سے گناہوں کی بخشش کی نوید مل جاتی ہے۔کئی اعمال درجات کی بلندی کا موجب بنتے ہیں اور کچھ اعمال ایسے ہیں جن کی بدولت انسان حسد، تکبر و رعونت اور غیبت کرنے سے بچ جاتا ہے۔ ان کے علاوہ بعض اعمال سے انسان کی طبیعت میں سخاوت اور فیاضی کا مادہ پیدا ہوتا ہے۔

اس سے یہ بات ذہن میں مستحضر کرلیں کہ ہر عمل، انسانی شخصیت پر خاص اثرات مرتب کرتا ہے۔ ہر عمل انسانی نفس، روح اور قلب و باطن کے لئے خاص تاثیر رکھتا ہے۔

اثر پذیری کے اعتبار سے کچھ اعمال کی وجہ سے بندے کوخاص اللہ کا قرب نصیب ہوتا ہے جیسے نماز سرتاپا اللہ کے فضل وکرم، بخشش و رحمت اور قرب کے حصول کا ذریعہ ہے لیکن اس نماز میں رکوع، قیام وسجود، قرات، تکبیرات، فاتحہ وسلام اور دیگر ارکان بھی بے پناہ حکمتوں اور برکتوں کے حامل ہیں۔سجدہ،اپنی خاص تاثیر کی وجہ سے اللہ کے قرب خاص کا سبب بنتا ہے اور کوئی دوسرا رکن بطور خاص اتنا قرب عطا نہیں کرتا جتنا کہ سجدہ۔قرآن مجید میں ایک مقام پر ارشاد ہوا کہ اے بندے تو سجدہ کر اور اللہ کے قریب ہوجا۔گویا سجدہ ارکان نماز میں سب سے عظیم رکن ہے اور بندہ سجدہ ریز ہوتے ہی قرب خداوندی کو پالیتا ہے۔

لفظ قربانی کا معنوی پس منظر

لفظ قربانی کا معنوی پس منظر :۔اس ساری بحث کا لب لباب یہ ہے کہ

ہر عمل کے اپنے مخصوص ثمرات اور فیوض و برکات ہیں جو قرب الٰہی کا ذریعہ بنتے ہیں مگر عید قربان میں قربانی کے عمل کو کیوں اللہ کے انتہائی قرب کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے؟ قربانی کا یہ عمل صرف جانور کو ذبح کرنے تک ہی محدود نہیں بلکہ یہ گہرے اور دوررس مضمرات (Implications) رکھتا ہے۔ جانور کے ذبح کرنے کے عمل کو قربانی سے اس لئے موسوم کیا گیا ہے کہ جانور کو ذبح کرنے کا عمل بندے کو اللہ کے انتہائی قریب کر دیتا ہے۔ لیکن اس میں قربانی کرنے والے بندے کا اخلاص ایک سوالیہ نشان کے طور پر سامنے آتا ہے۔ کیا وہ قربانی جو بندہ ذبح کے طور پر پیش کر رہا ہے اس کے اللہ کی بارگاہ سے مطلوبہ نتائج حاصل ہوئے ہیں؟ اگر اس کا جواب اثبات میں ہے تو اس کا عمل قربانی اس کے لئے اللہ سے انتہائی قرب کا سبب قرار دیا جائے گا۔ گویا قربانی کی روح حقیقت میں اس قربانی کے پیچھے کارفرما اخلاص ہے۔

حسنِ نیت ہر عمل کی روح ہے :-

یوں تو ہر عمل کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ ایک اس کی ہیئت (Form) اور دوسری اس کی روح۔ روح کا تعلق اس کے عقیدے اور نیت کے ساتھ ہے جبکہ ہیئت کا تعلق ظاہری شکل وصورت سے ہے۔ کسی بھی عمل کے پیچھے جو باطنی نیت کارفرما ہوتی ہے اس سے وہ مقبول، نامقبول، پسندیدہ غیر پسندیدہ ٹھہرایا جاتا ہے۔ الغرض حسن نیت ہی عمل کی روح ہوتی ہے۔ اس کو ایک عام فہم مثال سے یوں واضح کیا جاسکتا ہے کہ ایک شخص راستے سے گزر رہا ہے کہ اسے سڑک کے درمیان ایک پتھر پڑا دکھائی دیتا ہے وہ اسے اٹھا کر دور پھینک دیتا ہے۔

اب عمل ایک ہے لیکن اس کی نیت اس عمل کی جہت اور رخ کو بدل کے رکھ دیتی ہے۔ اگر اس شخص نے گزرگاہ عام سے پتھر اس لئے ہٹایا ہے کہ اسے شک گزرا ہے یا کسی ذریعے سے اسے پتہ چلا ہے کہ اس کے نیچے کوئی رقم چھپی ہوئی ہے۔ وہ اس پتھر کو ہٹاتا ہے، رقم جیب میں ڈالتا ہے اور چلا جاتا ہے۔ اب دیکھنے والے نے اس کا پتھر ہٹانے کا عمل دیکھا ہے لیکن اس عمل کے پیچھے چھپی ہوئی نیت کو نہیں دیکھا کہ نیت کو ظاہری آنکھوں سے دیکھا نہیں جاسکتا۔ اب ایک دوسرا شخص آتا ہے اس

نے پتھر کو اس لئے ہٹایا کہ تھوڑی دیر میں رات کا اندھیرا چھانے والا ہے۔ کہیں کوئی راہی بے خبری میں اس سے ٹھوکر کھا کر نہ گر جائے۔ اس کا پتھر ہٹانے کا عمل کسی کو تکلیف اور گزند سے بچانے کیلئے تھا۔ بادی النظر میں دونوں کا عمل دیکھنے والے کے لئے یکساں ہے اور اس میں رتی بھر فرق نظر نہیں آتا لیکن نیت جو دونوں کے عمل کے پیچھے تھی اس نے نتائج کے اعتبار سے زمین و آسمان کا فرق پیدا کر دیا ہے۔ اصل میں نیت محرک ہوتی ہے اور محرک سے عمل جنم لیتا ہے۔

نیت ہی اعمال کے ثمرات کی بنیاد ہے:۔

اپنی ہیئت کے اعتبار سے عمل کی بے شمار صورتیں ہیں لیکن ان میں فرق و امتیاز عمل کرنے والوں کی نیت کی بناء پر ہی کیا جا سکتا ہے اس کی ایک مثال نماز ہی کو لے لیجئے۔ ایک بندہ نماز کو اللہ کی رضا و خوشنودی اور اس کے لطف و کرم کے حصول کا ذریعہ سمجھ کر پڑھتا ہے۔ خشوع و خضوع اور رقت کی کیفیت دل پر طاری ہوا اور وہ نماز کے تصور میں یوں دو بالا ہوا ہو کہ اس کی آنکھوں سے ندامت کے آنسو بہہ رہے ہوں تو ایسی نماز اسے مولا کا قرب عطا کر دے گی اور رحمت ایزدی کے دروازے اس پر کھل جائیں گے۔ نماز میں جتنی عاجزی و انکساری آئے گی اتنی ہی رضائے خداوندی اسے نصیب ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اس کیفیت اور ذوق کو دیکھتا ہے جس میں ڈوب کر بندہ نماز پڑھ رہا ہے۔

وہ فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ میرے اور میرے اس بندے کے درمیان جتنے پردے حائل ہیں وہ اس نماز کی برکت سے ہٹا دیئے جائیں، میں نہیں چاہتا کہ کوئی دوری باقی رہے لہذا میرا قرب اسے عطا کر دیا جائے۔ اب دوسری طرف نگاہ دوڑایئے ایک بندہ پڑھ تو نماز ہی رہا ہے اور اسی طرح رقت کی کیفیت اس پر طاری ہے۔ دیکھنے والا یہی گمان کرتا ہے کہ کتنا عبادت گزار بندہ ہے لیکن اس کا یہ عمل محض ریا اور دکھلاوے کا عمل ہے اور وہ اپنے کو محض نمازی کہلوانے کے خیال سے عبادت کرتا ہے۔ ایسی نماز سے کچھ حاصل نہیں ہوتا وہ اللہ کی رضا اور خوشنودی سے دور رہتا ہے۔

ایسی نماز جس میں اس کا دل نماز میں نہیں بلکہ مکروہات دنیا اور اپنے نفس کی بزرگی و برتری میں

مگن ہے اس کے منہ پر ماردی جائے گی۔اس لئے حسن نیت اور اخلاص والا عمل ہی قرب الٰہی کا ذریعہ بنتا ہے اور اس میں دکھلاوا اور ریا کاری آجائے تو وہ قابل قبول نہیں رہتا۔

قبولیت و عدم قبولیت کا قرآنی فلسفہ :۔

وہ بندگان خدا جن کے دل میں کسی کے بارے میں حسد، بغض اور عناد نہیں ہوتا اور جو اپنا تن من دھن اور اپنی جان کا نذرانہ اللہ کی بارگاہ میں صرف اس کو راضی کرنے کے لئے پیش کردیتے ہیں ان کے اعمال، سند قبولیت سے نوازے جاتے ہیں۔انہیں ان کی حسن نیت کا پھل ملتا ہے اس لئے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''فرمایا! بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری طرف اور تمہارے اموال کی طرف نہیں دیکھتا بلکہ وہ تو تمہارے دل کی نیت کو دیکھتا ہے'' اللہ تعالیٰ کی نظر نہ تو بندوں کی صورتوں کو دیکھتی ہے اور نہ ان کے مال و اموال کو بلکہ ان کے دلوں میں چھپی ہوئی نیتوں کو دیکھتی ہے۔عین ممکن ہے کہ کوئی دیکھنے میں خوش شکل اور بھلا لگے، اس کے اعمال بھی دیکھنے میں اچھے لگیں لیکن ان کے اعمال کے پیچھے اچھی نیت کارفرما نہ ہو اور اس کے مقابلے میں ایک شخص بھدا، بدنما، ناقص اور کم تر دکھائی دے لیکن اس کی نیت اور اخلاص کا یہ عالم ہو کہ اس کے اعمال کو قبولیت کے اعلیٰ درجے پر فائز کردیا جائے۔

چنانچہ اس معیار قبولیت کو مدنظر رکھتے ہوئے آدم علیہ السلام کے اس بیٹے نے جس کی قربانی قبول ہوئی تھی اپنے بھائی سے کہا'' کہ اگر تم مجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ میری طرف بڑھائے پھر بھی جواب میں تیری طرف ارادہ قتل سے ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا'' قرآن حسن عمل اور تقویٰ کی تلقین کرتا ہے اور اگر کوئی زیادتی کرتا ہے اور وہ اس زیادتی کا جواب زیادتی سے دینے کی بجائے تحمل، ضبط اور درگزر سے کام لیتا ہے تو اس کے پیچھے یہ جذبہ محرک ہوتا ہے کہ کہیں میرا مولا مجھ سے ناراض نہ ہو جائے تو اس کا یہ عمل اسے تقویٰ کے اعلیٰ درجے پر فائز کر دیتا ہے۔

اس سے یہ بات مترشح ہوئی کہ انسانی اعمال میں سے اللہ تعالیٰ انسان کے تقویٰ اور خشیت الٰہی کی کیفیت کو قبول فرماتا ہے اور وہ اعمال محض دکھاوے

کے لئے کیئے جائیں انہیں شرف قبولیت نہیں بخشتا۔

اللہ تعالیٰ دل کے تقویٰ کو دیکھتا ہے نہ کہ قربانی کی مالیت و جسامت کو:۔

اللہ تعالیٰ کی بابرکت ذات یہ نہیں دیکھتی کہ وہ جانور جو قربانی کے لئے پیش کیئے گئے ان کی مالیت اور جسامت کیا ہے بلکہ وہ قربانی کرنے والے دلوں کی کیفیت پر نگاہ رکھتا ہے۔ کیا یہ تو نہیں کہ قربانی کرنے والے کی نیت کوئی مادی منفعت یا محض نمود و نمائش کا اظہار ہے، اللہ رب العزت کو ایسی قربانی کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ اس قربانی کو قبول کرتا ہے جس کی اساس تقویٰ پر رکھی گئی ہو۔

اسی لئے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا۔ ''اللہ کو ہر گز نہ ان کے گوشت پہنچتے ہیں اور نہ ان کے خون مگر اسے تمھاری طرف سے تقویٰ پہنچتا ہے'' (سورۃ الحج) اللہ تعالیٰ کو قربانی کے جانور کے گوشت پوست اور جسامت سے کوئی غرض نہیں اس تک تو صرف وہ تقویٰ پہنچتا ہے جو قربانی کے پیچھے چھپا ہوا ہے۔ وہ تو یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ قربانی کرنے والے میں خوف خدا اور پرہیز گاری کی کیا کیفیت ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''صدق و اخلاص سے قربان کیئے جانے والے جانور کے خون کا پہلا قطرہ جونہی زمین پر گرتا ہے اس قربانی کو بارگاہ الوہیت میں قبول کرلیا جاتا ہے''۔ وہ تو بندے کی نیت کو دیکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قربانی سے مقصود گوشت نہیں بلکہ قربانی کے جانور کے حلقوم پر بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر چھری چلا دینے کا نام قربانی ہے۔

قربانی کے گوشت کی تقسیم کا طریقہ اور اس میں کارفرما حکمت :۔

گوشت کی تقسیم کے معاملہ میں اس تقسیم کو ملحوظ رکھنا لازم ہے کہ اس کا ایک حصہ غرباء، مساکین میں صدقہ کردیا جاتا ہے۔ ایک حصہ عزیزوں، رشتہ داروں میں تقسیم کردیا جاتا ہے۔ تیسرا حصہ ذاتی استعمال کے لئے رکھا جاتا ہے۔ اگر قربانی خالصتاً صدقہ ہوتا تو اسے سارا کا سارا غریبوں میں تقسیم کرنے کا حکم ہوتا لیکن ایسی کوئی بات نہیں ہے بلکہ یہاں تک اجازت ہے کہ کنبہ کے افراد زیادہ ہوں تو سارے کا سارا گوشت گھر میں رکھا

جا سکتا ہے۔ اس لئے قربانی سے مقصود محض گوشت کی تقسیم نہیں بلکہ اس کے پیچھے کارفرما حکمت قربانی کے جانور کا اللہ کے لئے خون بہانا ہے۔ اس طرح عیدالاضحٰی یا عید قربان کا بنیادی فلسفہ اللہ کی رضا کا حصول ہے جس کے لئے قربانی کی جاتی ہے اور اس میں حسن نیت اور اخلاص کا ہونا بنیادی شرط ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ قربانی کا عمل اگرچہ قلیل تر ہی کیوں نہ ہو۔

صدق و اخلاص سے کیا جائے تو قبولیت کو پہنچتا ہے اور اگر یہ عمل صدق و اخلاص اور للھیت سے خالی ہو تو قربانی کے چاہے پہاڑ کی طرح انبار لگا دیئے جائیں بارگاہ الٰہی میں ان کی کوئی حیثیت نہ ہوگی۔ قربانی میں تقویٰ کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لئے اس بات کی طرف بندے کی توجہ مبذول کرائی گئی ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ وہ قربانی کے عمل کو اعزہ و اقرباء اور محلّہ داروں میں اپنی حیثیت کا رعب جمانے اور اپنی بڑائی کا تاثر قائم کرنے کے لئے بروئے کار لاسکتا ہے۔

یوم نحر یعنی دس ذوالحجہ کو اللہ کے نزدیک خون بہانے سے زیادہ کوئی عمل محبوب نہیں۔ قربانی کا جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں بالوں اور کھروں سمیت آئے گا۔ اور بے شک اس کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالٰی کے ہاں مقام قبولیت حاصل کر لیتا ہے پس اس خوشخبری سے اپنے دلوں کو مطمئن کرلو۔

کعبہ شریف کی عظمت وتقدس

ماخوذ

روئے زمین پر سب سے محترم اور مقدس اور باعظمت، قابل احترام، لائق تقدس جگہ، سکون وطمانیت کا مسکن ومنبع، جہاں ودنیا کا پروقار پر رونق مقام ''خانہ کعبہ'' ہے، اس کعبہ کی عظمت وتقدس اور اس میں موجودہ اللہ عزوجل کی نشانیوں کیا کہنا، خود اللہ عزوجل قرآن کریم میں بیانگ دہل اعلان کررہے ہیں''فیہ آیات بینات ومقام ابراہیم'' (آل عمران:) اس میں ہماری بے شمار نشانیاں اور مقام ابراہیم جیسا مقدس مقام بھی ہے، اللہ عزوجل کا فضل وکرم رہا کہ ماہِ شعبان کے ابتداء میں خانہ کعبہ کے دیدار وزیارت کا شرف حاصل ہوا، اللہ نے وہ نورانیت اور یکسانیت اور روحانیت اس میں رکھی ہے، دیکھتے رہیں جی بھرتا ہی نہیں، وہاں سے اٹھ کر اور خانہ کعبہ سے جدائیگی کا تصور ہی دل کو بے کل وبے چین کئے دیتا ہے، جب میرا وقت ہو چکا تو خانہ کعبہ کے پاس وداعی طواف اور دعا کرنے کے بعد بلا مبالغہ کہتے ہوں خانہ کعبہ کے پاس سے پلٹنے کو طبیعت ہی نہیں چاہتی، کیوں کر ایسا نہ ہو پہلے تھوڑا سا ہٹ کر دعا میں مصروف رہا، پھر سیڑھیوں کے پاس آکر دس پندرہ منٹ ٹکٹکی باندھا دیکھتا رہا، پھر باب عبد العزیز کے قریب آکر پھر پلٹ کر حسرت بھری نگاہوں خانہ کعبہ سے جدائیگی پر دل بے چین وبے کل تھا، پھر باب عبدالعزیز کے باہر آکر پھر ٹھہر کر دیکھتا رہا، پھر کلاک ٹاور کے پاس آکر پھر رکا رہا، آخر تو وقت ہورہا تھا، حسرت بھری نگاہوں سے آخری نگاہ ڈالتا ہوا واپس آیا۔

واپسی کے بعد ہر دم یہی خیال آتا کہ کاش میں بیت اللہ کا پڑوسی ہوتا، پھر اس کے بعد میں نے تحقیق وجستجو کرنے شروع کی کہ خانہ کعبہ کی ابتدائی تعمیر کیسی ہوئی؟ اور مقامات مقدسہ اور اللہ عزوجل کی مختلف نشانیوں کی اہمیت کو اجاگر کیا جائے، اس تحریر خانہ کعبہ کی تعمیر اور اس کی تاریخ، مختصر حجر اسود اور مقام

ابراہیم کی اہمیت اور انبیاء سے لے کر اولیاء نے بیت اللہ کا جو حج کیا اس کی تفصیلات ذکر کر رہا ہوں

خانہ کعبہ کی ابتداء :۔ قرآن کریم میں اللہ عزوجل کا ارشاد گرامی ہے : ترجمہ: بیشک پہلا گھر جو لوگوں کے لئے بنایا گیا وہ مکہ میں ہے جو لوگوں کے لئے نہایت متبرک جگہ اور سارے جہاں والوں کے ہدایت کا مقام ہے۔ اور اللہ عزوجل کا یہ بھی ارشاد گرامی ہے : (بنایا ہے اللہ نے کعبہ کو (جو) حرمت والا گھر ہے قائم رہنے کا باعث لوگوں کیلئے اور حرمت والے مہینوں کو اور قربانی کو اور پٹے والے جانوروں کو یہ (اس لیے) تا کہ تم جان لو کہ بیشک اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور بیشک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔) اس کے علاوہ بے شمار آیتیں ہیں، جو خانہ کعبہ کی عظمت کو بیان کرتی ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرما تے ہیں کہ خانہ کعبہ، جس اللہ عزوجل نے بیت معمور سے پہلے زمین پر بسایا ہے۔

خانہ کعبہ کو کو ''بکہ'' اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ جو مسجد حرام اور بیت اللہ خانہ کعبہ میں واقع ہے، ''بکہ'' مسجد حرام کو کہتے ہیں، یہ ''بکّہ'' سے مشتق ہے، جس کے معنی ازدحام کے ہیں، چونکہ یہاں لوگوں کی ہر دم بھیڑ اور ازدحام ہوا کرتا ہے، اس لئے اس کو ''بکہ'' کہتے ہیں، قتادہ کہتے ہیں، بیت اللہ کو ''بکہ'' سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ یہاں مرد و عورت سب یکساں بیت اللہ کا طواف کرتے ہیں، یکجا نماز پڑھتے ہیں، یہ صرف خانہ کعبہ میں درست ہے۔

بعض مفسرین کا تو کہنا ہے کہ خانہ کعبہ کی تعمیر آسمان و زمین کی پیدائش سے پہلے ہوئی، اس گھر کو حضرت آدم علیہ السلام کے کے بھیجے جانے سے قبل فرشتوں نے تعمیر کیا تھا، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمات ہیں کہ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول سب سے پہلے کونسی مسجد بنی تو آپ ﷺ نے فرمایا: مسجد حرام، پھر کونسی تو فرمایا: مسجد اقصی، میں نے کہا : دونوں کے درمیان کتنا فاصلہ تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہی وجہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خانہ کعبہ کے بنانے کا ذکر ملتا ہے تو وہاں قرآن کہتا ہے یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام و اسماعیل علیہ السلام نے خانہ کعبہ کو اس کے پرانی اساس اور بنیاد پر تعمیر کیا ہے، اور

یہ معلوم اور معقول ہے کہ جتنے انبیاء - علیہ السلام تھے ان پر نمازیں فرض تھیں، اور وہ خانہ کعبہ کی جہت پر ہی نمازیں پڑھتے تھے۔

ابن وہب کہتے ہیں: بیت اللہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے میں سرخ یاقوت کی شکل میں جنت کے یاقوت کا سا نور اس سے جھلکتا تھا، اس کا سونے کا ایک مشرقی دروازہ اور ایک مغربی دروازہ تھا، اس میں تین سونے کی قندیلیں تھیں جس سے نور دہکتا تھا، جس کے دروزے پر سفید یاقوت ستارے جڑے ہوئے تھے، رکن یمانی اس زمانے میں سفید یاقوت کی شکل میں تھا، خانہ کعبہ کی یہی صورتحال نوح علیہ السلام کی زمانے تک رہی۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ اللہ عزوجل نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ بیت المعمور کے مثل، اسی کے سائز اور مقدار میں گھر روئے زمین پر بنائیں، اللہ عزجل نے فرشتوں کو اس کا حکم کیا، تو انہوں نے بیت اللہ کی تعمیر کی، اللہ عزوجل نے روئے زمین پر بسنی والی مخلوق کو خانہ کعبہ کے طواف کا ایسے ہی حکم کیا جیسا اہل آسان بیت المعمور کا طواف کرتے ہیں، اس کو ابن جوزی نے علی بن حسین رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اور ایک روایت میں ہے: جب حضرت آدم علیہ السلام کو روئے زمین پر بھیجا گیا، تو فرمایا: اے آدم میرے لئے میرے آسمان میں گھر کے مقابل گھر بناؤ، جہاں تم اور تمہاری اولاد میری عبادت کرسکو، جس طرح میرے ملائکہ میرے عرش کے اردگرد میری عبادت کرتے ہیں، فرشتے زمین پر آئے انہوں نے ساتویں زمین تک کھدائی کی، اس میں روئے زمین کے اوپر تک فرشتوں نے ایک چٹان رکھی، حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ ایک سوراخ دار سرخ یاقوت بھیجا گیا، جس کے چار سفید ستون تھے، اس کو اس بنیاد پر رکھا گیا۔

یہ یاقوت اسی طرح رہا یہاں تک اللہ عزوجل اس کو اٹھالیا، اس کی بنیادیں یوں ہی برقرار رہیں، پھر اس کے بعد اولاد آدم نے فرشتوں کی بنیاد پر مٹی اور پتھر کا گھر بنیا، یہ گھر ان کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے تک معمور رہا، طوفان نوح میں یہ ڈھنک گیا، تو اللہ عزوجل نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس کی بنیاد تلاش کرنے کا حکم کیا، جبرائیل علیہ السلام نے اپنے پر زمین پر مارے، زمین کے

نیچے سے خانہ کعبہ کی اساس اور بنیاد ظاہر ہوگئی، پھر ملائکہ اس بنیاد پر ایک چٹان رکھی، جس چٹان کو بمشکل تیس لوگ اٹھا پاتے، اس کے اوپر بیت اللہ کی تعمیر کی گئی ''وبنی علیہ البیت'' (الاثر)

عطاء ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے کہا: مجھے اس خانہ کعبہ کے احوال بتلائیں تو انہوں نے فرمایا: یہ گھر اس کو اللہ عزوجل نے سرخ جوف دار یاقوت کی شکل میں حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ نازل کیا، فرمایا: اے آدم، یہ میرا گھر ہے۔

اس کے ارد گرد طواف کرنا اور نماز ادا کرنا، جس طرح تم نے میرے فرشتوں کو میرے عرش کا طواف کرتے ہوئے وہاں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، فرشتے حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ آئے، پتھروں سے انہوں نے کعبہ اللہ کی بنیاد رکھی، پھر ان بنیادوں پر خانہ کعبہ تعمیر کیا گیا، جب اللہ عزوجل نے قوم نوح کو غرق کیا تو اس گھر کو اٹھالیا، اس کی بنیادی رہ گئیں (جامع شعب الایمان)

سہیلی کہتے ہیں: تفسیر میں مروی ہے: جب اللہ عزوجل نے آسمانوں اور زمین سے کہا'' یہ جواب صرف سرزمین حرم نے دیا، اس لئے اللہ عزوجل اس سرزمین کو محترم بنایا'' فلذلک حرمھا۔ اسی طرح مروی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا'' وارنا مناسکنا'' (سورۃ البقرۃ) تو حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور ان کو مناسک بتلائے، ان کو حدود حرم کی واقفیت عطا کی۔

ابراہیم علیہ السلام پتھروں کو اکٹھا کرتے اور علامات اور نشانیاں بناتے اور اس پر مٹی ڈالتے، حضرت جبرائیل علیہ السلام ان کو حدود حرم کی واقفیت عطا فرماتے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حرم کے حدود اولا متعین کئے، جب نبی کریم ﷺ نے مکہ کو فتح کیا تمیم بن اسید کو حکم دیا کہ وہ حدود حرم کی تعیین کریں، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں انہوں نے چار قریش کے بڑی شخصیات (جن میں مخرم بن نوفل، سعید بن یربوع، حویطب بن عبد العزی، از ہر بن عوف تھے) کو حرم کے نشانات کی تعیین کے لے بھیجا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حدود حرم کی تعیین کی۔

حجر اسود اور مقام ابراھیم

کی اہمیت :۔ حضرت انس سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''الرکن والمقام یاقوتتان من یواقیت الجنۃ'' (الحاکم) رکن (حجر اسود) اور یاقوت یہ دونوں جنت کے یاقوت ہیں۔ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''رکن اور مقام یہ دونوں جنت کے یاقوت، اللہ عزوجل نے ان کی روشنی کو مٹا دیا ہے، اگر اللہ عزوجل ان کی روشنی کو ختم نہ کرتے تو اس مغرب اور مشرق روشن ہو جاتے (حاکم)

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: رکن اور مقام ابراہیم یہ جس رات حضرت آدم علیہ السلام کو بھیجا گیا، اسی رات نازل ہوئی، صبح انہوں رکن اور مقام کو دیکھا تو ان کو پہچان لیا اور ان کا بوسہ لے کر انسیت حاصل کیا ''فضمھما الیہ وانس بھما'' ۔عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت فرماتے ہیں، حجر اسود کو حضرت جبرائیل جنت سے لائے ہیں، اس کو اس جگہ پر نصب کیا ہے، جہاں پر آج یہ موجود ہے، جب تک حجر اسود تمہارے بیچ موجود رہے گا تو تم اس سے استفادہ کرنا، ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اس کو اٹھالیا جائے اور یہ جہاں سے آیا ہے چلا جائے گا۔

انبیاء اللہ علیہم السلام کا بیت اللہ کا حج:۔

بے شمار ابیباء علیہم السلام نے بیت اللہ کا حج کیا ہے، حضرت آدم، نوح، ابراہیم اور ان کے بعد کے انبیاء نے بھی بیت اللہ کا حج کیا ہے، بہت ساری پہلی امتوں نے بیت اللہ کی زیارت کی ہے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں: جب حضرت آدم علیہ السلام نے بیت اللہ کا حج کیا تو ان کی ملائکہ سے ملاقات ہوئی، تو انہوں نے کہا: اے آدم (علیہ السلام) تمہارے حج قبول ہو، ہم نے آپ سے پہلے دو ہزار سال قبل اس بیت اللہ کا حج کیا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرماتے ہیں: حضرت آدم علیہ السلام نے ہندوستان پیدال چالیس حج کئے ہیں ''ان آدم علیہ السلام حج اربعین حجۃ من الھند علی رجلیہ'' مجاہد کہتے ہیں: کیا وہ سوار نہیں ہوتے تھے، کسی چیز پر وہ سواری کرتے (مثیر العزم الساکن)

حضرت عطاء سے مروی ہے، حضرت آدم علیہ السلام کو ہندوستان میں اتارا گیا، حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا: اے رب مجھے ملائکہ کی آواز سنائی نہیں دیتی، جس طرح میں جنت میں سنا کرتا تھا،؟ فرمایا: اے آدم تمہارے گناہوں کی وجہ سے، جاو میرا گھر تعمیر کرو، جس طرح فرشتوں کوتم نے عرش کا طواف کرتے ہوئے دیکھا ہے، چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام مکہ آئے، بیت اللہ کی تعمیر کی، جہاں آدم علیہ السلام کے دونوں قدم پڑے ہیں، وہ گاؤں، نہریں، اور آبادیاں بن گئی، ان کے پیروں کے فاصلہ کے بیچ جنگل بن گئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرماتے ہیں، جس وقت نبی کریم نے حج فرمایا، تو وادی عسفان تشریف لائے، فرمایا: اس وادی سے نوح، ہود، ابراہیم علیہم السلام نو زائد اونٹیوں پر سفر کیا ہے، ان کی لگام پتوں کی تھی، ان کے کرتے ہیں عباء تھے، ان کی چادریں اون کی تھیں، انہوں نے بیت عتیق کا حج کیا ہے "یحجون بیت العتیق" (رواہ الواحدی)

مقاتل کہتے ہیں، مسجد حرام میں زمزم، مقام ابراہیم اور حجر اسود کے مابین ستر نبیوں کی قبریں، جن میں ہود، صالح، اسماعیل شامل ہیں، ابراہیم، اسحاق، یعقوب اور یوسف علیہ السلام کی قبر بیت المقدس میں موجود ہے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقام عسفان پر ٹھہرے اور فرمایا: اس گاوں سے ستر نبی گذرے ہیں، ان کے کپڑے عباء اور ان کے جوتے چمڑے کے تھے۔ اور ایک روایت میں انہوں نے بیت اللہ کا طواف کیا اور مسجد منی میں نماز پڑھی، اس لئے تمہیں اگر مسجد منی میں نماز کا موقع ملے تو نہ چھوڑنا۔

یہ بھی مروی ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام ستر ہزار لوگوں کے ساتھ بیت اللہ کا حج کریں گے جس میں اصحاب کہف بھی ہوں جو کہ مرچکے ہیں لیکن انہوں نے حج نہیں کیا ہے۔

حضرت خضر اور الیاس ہر سال موسم حج میں ملتے ہیں، ان میں سے ہر دوسرے کے سر کا حلق کرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے حج کیا اور بیت اللہ کا طواف کیا، قتادہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: میں حضرت انس سے دریافت کیا نبی کریم ﷺ نے

کتنے حج کئے ہیں ’’کم حج النبی صلی اللہ علیہ وسلم‘‘ فرمایا: ایک حج، چار عمرے کئے ہیں۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سن گیارہ ہجری میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں لوگوں کو حج کرایا، پھر ابو بکر نے رجب سن بارہ ہجری میں عمرہ کیا، پھر لوگوں کو حج کرایا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مدینہ اپنا خلیفہ بنایا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جب ان سے بیعت خلافت لی گئی تو عبد الرحمٰن بن عوف کو سن چوبیس ہجری میں امیر بنا کر حج پر روانہ کیا، حضرت عثمان نے سن پچیس ہجری میں لوگوں کو حج کرایا، پھر حضرت عثمان لوگوں کو سن چوتیس ہجری تک حج کراتے رہے، پھر ان کو ان کے گھر میں محصور کر دیا گیا، سن پینتیس میں حضرت عبداللہ بن عباس نے لوگوں کو حج کرایا)

حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کی ولایت سے پہلے ان کے حجوں کی تعداد معلوم نہیں، ایام خلافت میں فتنہ کی وجہ سے حج نہ کر سکے، چونکہ ان کی خلافت صرف چار سال نو مہینے رہے، ان کو سن پینتیس کے حج کے خلافت حاصل ہوئی، چونکہ حضرت عثمان کا انتقال جمعہ ۱۸ ذی الحجہ کو اسی سال ہوئی تھی، سن ۶۳ میں جنگ جمل ہوئی، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حج کرایا، پھر سن سینتیس میں واقعہ صفین واقع ہوا، لوگوں کو عبد اللہ بن عباس نے ہی حج کرایا، سن ۸۳ میں لوگوں کو قثم بن عباس نے حج کرایا، پھر سن ۹۳ میں شیبہ بن عفان میں پر اتفاق کیا، انہوں نے لوگوں کو حج کرایا۔

رمضان سن چالیس میں حضرت علی کرمہ اللہ وجہہ کا انتقال ہوا۔ حضرت معاویہ نے اپنے زمانہ خلافت میں خود لوگوں کو حج کرایا، قضاعی کہتے ہیں، سن چوالیس اور پچاس میں انہوں نے ہی لوگوں کو حج کرایا سن ترسٹھ می عبد اللہ بن زبیر نے لوگوں کو حج کرایا، پھر ان سے بیعت نے کے انہوں نے مسلسل آٹھ حج کرائے۔

حضرت حسن بن علی نے مدینہ سے پیدل پچیس حج کئے، اپنے ساتھ اونٹوں کو ہنکا کر لے جاتے تھے، ابونعیم حلیہ میں ذکر کیا ہے کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے اس بات سے شرم محسوس ہوتی ہے کہ میں اپنے رب سے اس حالت میں ملاقات کروں اور میں نے اللہ کے گھر کا پیدل حج نہ کیا، انہوں

نے مدینہ سے پیادہ پا مکہ تک بیش حج کیئے ۔
امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے پانچ حج کیئے، تین پیدل، اپنے بعض حجوں میں انہوں نے بیس درہم خرچ کیئے ۔حسن دینوری نے سولہ پیدل حج کیئے بغیر توشیہ کے ننگے پیر" ماشیا حافیا بغیر زاد" (ذکرہ محبّ الدین الطبری فی القری لقاصد ام القری: ۴۷)مغیر بن حکیم نے کچھ کم پچاس دفعہ حج ننگے پیر حالت احرام میں روزہ رکھتے ہوئے حج کیا ہے۔
یہ بیت اللہ کی فضیلت حرمت اور عزت ہے، دیگر بزرگان دین نے تو ۷۰، ۸۰ بھی حج کیئے ہیں، اسی قدر عمرے بھی کیئے ہیں، وہ اس گھر کی عظمت وحرمت اور اس کے فضائل ومناقب اور اس کے مقامات مقدسہ انبیاء علیہ السلام کی آمد اور دیگر اولیاء کی اس بابرکت گھر کے قصد کو جانتے تھے، اللہ عزوجل نے مجھے عمرے کی توفیق دی، مجھے یہ تفصیلات ساری اس شوق میں لکھ رہا ہوں کہ اللہ عزوجل مجھ جیسے ناپاک شخص کو بھی اس بیت اللہ کے بار بار زیارت کرنے والوں میں شمار کرے، جب سے بیت اللہ کا دیدار ہوا، کوئی چیز اچھی نہیں لگتی، دل چاہتا ہے کہ کچھ ایسے ہوجائے قدرت سے کہ بیت اللہ کا جوار نصیب ہو، اگرچہ گندے ہیں، لیکن اللہ کے بندے ہیں، میرا اس گھر کے تمام فضائل ومناقب حج کے اس موسم اور موقع سے تمام فضائل اور مناقب کو وقتا بوقتا لکھنے کا ارادہ ہے کہ بیت اللہ کے حوالہ اس کے صحیح حرمت اور عزت کا مجھے بھی پتہ چلے اور ہمارے دینی بھائی بھی اس سے مستفید ہوں۔

کعبہ شریف کی حرمت :۔

" حرم "" زمین کے اس قطعہ کو کہتے ہیں جو کعبہ اور مکہ کے گرداگرد ہے۔! اللہ تعالیٰ نے کعبہ کی عظمت کے سبب اس زمین کو بھی معظم ومکرم کیا ہے۔اس زمین کو حرم اس لئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس خطہ زمین کی بزرگی کی وجہ سے اس کی حدود میں ایسی بہت سی چیزیں حرام قرار دی ہیں جو اور جگہ حرام نہیں ہیں۔مثلاً حدود حرم میں شکار کرنا، درخت کاٹنا اور جانوروں کو ستانا وغیرہ درست نہیں۔! بعض علماء ۔ کہتے ہیں کہ زمین کا یہ حصہ حرم اس طرح مقرر ہوا کہ جب حضرت آدم زمین پر اتارے گئے تو شیاطین سے ڈرتے تھے کہ مجھے ہلاک نہ کر ڈالیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی

حفاظت و نگہبانی کے لئے فرشتوں کو بھیجا ان فرشتوں نے مکہ کو چاروں طرف سے گھیر لیا لہٰذا مکہ کے گرداگرد جہاں جہاں فرشتوں نے کھڑے ہو کر حد بندی کی وہ حرم کی حد مقرر ہوئی اور اس طرح کعبہ مکرمہ اور ان فرشتوں کے کھڑے ہونے کی جگہ کے درمیان جو زمین آگئی، وہ حرم ہوئی۔

بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم نے جب کعبہ بناتے وقت حجر اسود رکھا تو اس کی وجہ سے ہر چہار طرف کی زمین روشن ہوگئی چنانچہ اس کی روشنی اس زمین کے چاروں طرف جہاں جہاں تک پہنچی وہیں حرم کی حد مقرر ہوئی زمین حرم کے حدود یہ ہیں، مدینہ منورہ کی طرف تین میل (مقام تنعیم تک) یمن، طائف، جعرانہ اور جدہ کی طرف سات سات میل بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ جدہ کی طرف دس میل اور جعرانہ کی طرف نو میل۔ چاروں طرف جہاں جہاں حرم کی زمین ختم ہوتی ہے۔ وہاں حدود کی علامت کے طور پر برجیاں بنی ہوئی ہیں مگر جدہ اور جعرانہ کی طرف برجیاں نہیں ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا کہ اب مکہ سے مدینہ کو ہجرت فرض نہیں ہے البتہ جہاد اور عمل میں نیت کا اخلاص ضروری ہے لہٰذا جب تمہیں جہاد کے لئے بلایا جائے یعنی تمہارا امیر تمہیں جو جہاد کا حکم دے تو جہاد کے لئے نکل کھڑے ہو۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ ہی کے دن یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس شہر یعنی تمام زمین حرم کو حرام کیا ہے بایں طور کہ تمام لوگوں پر اس مقدس خطہ زمین کی ہتک و بے حرمتی حرام ہے اور اس کی تعظیم واجب ہے اسی دن سے جب کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تھا یعنی اس خطہ زمین کی حرمت شروع ہی سے ہے۔

لہٰذا یہ خطہ زمین اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی حرمت کے سبب قیامت تک کے لئے حرام کیا گیا بلا شبہ اس خطہ زمین میں نہ تو مجھ سے پہلے کسی کے لئے قتل وقتال حلال کیا گیا تھا اور نہ میرے لئے حلال ہوا ہے علاوہ فتح مکہ کے دن کی ایک ساعت کے پس اس دن کے بعد یہ خطہ زمین اللہ تعالیٰ کی عطا کی

ہوئی حرمت کے سبب قیامت کے دن پہلا صور پھونکے جانے تک ہر شخص کے لئے حرام کر دیا گیا ہے لہٰذا نہ تو اس زمین کا کوئی خاردار درخت ہی کاٹا جائے اگرچہ وہ ایذاء دے نہ اس کا شکار بہکایا جائے یعنی کوئی شکار کی غرض سے یا محض بھڑکانے ستانے کے لئے یہاں کے کسی جانور کے ساتھ تعرض نہ کرے اور نہ یہاں کا لقطہ اٹھایا جائے ہاں وہ شخص اس کو اٹھا سکتا ہے جو اس کا اعلان کرے اور نہ اس کی زمین کی گھاس کاٹی جائے۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سن کر عرض کیا کہ یارسول اللہ! مگر اذخر (ایک قسم کی گھاس) تو ایسی چیز ہے جو لوہاروں اور سناروں کے لئے لوہا اور سونا گلانے کے کام آتی ہے اور گھروں کی چھتیں بنانے میں اس کی ضرورت پڑتی ہے اس کو کاٹنے کی اجازت دے دیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں! اذخر کاٹی جا سکتی ہے۔ (بخاری ومسلم) اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ نہ یہاں کا درخت کاٹا جائے اور نہ یہاں کی گری پڑی کوئی چیز اٹھائی جائے البتہ اس کے مالک کو تلاش کرنے والا اٹھا سکتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو اس وقت ہجرت ہر اس شخص پر فرض تھی جو اس کی استطاعت رکھتا تھا۔ پھر جب مکہ فتح ہو گیا تو اس ہجرت کا سلسلہ منقطع ہو گیا جو فرض تھی کیونکہ اس کے بعد مکہ دارالحرب نہیں رہا تھا لہٰذا ارشادگرامی اب ہجرت نہیں الخ، کا مطلب یہی ہے کہ اگر اب کوئی ہجرت کرے تو اسے وہ درجہ حاصل نہیں ہوگا جو مہاجرین کو حاصل ہو چکا ہے البتہ جہاد اور اعمال میں حسن نیت کا اجر اب بھی باقی ہے اور ہمیشہ ہمیشہ باقی رہے گا، اسی طرح وہ ہجرت بھی باقی ہے جو اپنے دین اور اسلام کے احکام و شعائر کی حفاظت کے لئے ہوتی ہے اور اس کا اجر بھی ملتا ہے۔

" نہ کوئی خاردار درخت کاٹا جائے" اس سے معلوم ہوا کہ بغیر خاردار درخت کو کاٹنا تو بدرجہ اولیٰ جائز نہیں ہوگا ہدایہ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص زمین حرم کی ایسی گھاس یا ایسا درخت کاٹے جو کسی کی ملکیت

میں نہ ہواور خود رو ہوتو اس پر اس گھاس یا درخت کی قیمت بطور جزاء واجب ہو گی، البتہ خشک گھاس کاٹنے کی صورت میں قیمت واجب نہیں ہوتی لیکن اس کا کاٹنا بھی درست نہیں ہے۔! زمین حرم کی گھاس کو چرانا بھی جائز نہیں ہے، البتہ اذخر کو کاٹنا بھی جائز ہے اور چرانا بھی، اسی طرح کمائی یعنی کھنبی (ایک قسم کا خود رو ساگ) بھی مستثنیٰ ہے کیونکہ یہ نباتات میں سے نہیں ہے! حضرت امام شافعی کے مسلک میں زمین حرم کی گھاس میں جانوروں کو چرانا بھی جائز ہے۔

" لقطہ " اس چیز کو کہتے ہیں جو کہیں گری پڑی پائی جائے اور اس کا مالک معلوم نہ ہو۔ زمین حرم کے علاوہ عام طور پر لقطہ کا حکم تو یہ ہے کہ اس کو اٹھانے والا عام لوگوں میں یہ اعلان کراتا رہے کہ میں نے کسی کی کوئی چیز پائی ہے جس شخص کی ہو وہ حاصل کر لے۔ اگر اس اعلان کے بعد بھی اس چیز کا مالک نہ ملے تو وہ شخص اگر خود نادار و مستحق ہو تو اسے اپنے استعمال میں لے آئے اور اگر نادار نہ ہو تو پھر کسی نادار کو بطور صدقہ دے دے پھر اگر بعد میں اس کا مالک مل جائے تو اس کو اس کی قیمت ادا کرے لیکن زمین حرم کے لقطہ میں، جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث سے معلوم ہوا، یہ بات نہیں ہے بلکہ صرف اعلان ہے جب تک کہ اس کا مالک نہ مل جائے یعنی جب تک اس کے مالک کا پتہ نہ لگے اس وقت تک اس کا اعلان کیا جاتا رہے اور مالک کا انتظار کیا جائے، اس کو آخر تک نہ تو اپنے استعمال میں لا سکتا ہے نہ کسی کو بطور صدقہ دیا جا سکتا ہے اور نہ اپنی ملکیت بنایا جا سکتا ہے، چنانچہ حضرت امام شافعی کا یہی مسلک ہے۔

لیکن اکثر علماء کے نزدیک حرم اور غیر حرم کے لقطہ کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے حنفیہ کا مسلک بھی یہی ہے، ان کی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں مطلق طور پر لقطہ کا حکم بیان کیا گیا ہے جو انشاء اللہ لقطہ کے باب میں آئیں گی۔ حدیث کے الفاظ الا من عرفہا کا مطلب ان علماء کے نزدیک یہ ہے کہ زمین حرم کے لقطہ کو اٹھانے والا پورے ایک برس تک مکہ میں اس کا اعلان کرتا کراتا رہے جیسا کہ اور جگہ کرتے ہیں۔

اعلان کو صرف ایام حج کے ساتھ مخصوص نہ کرے،
گویا حدیث کے اس جملہ کا حاصل یہ ہوا کہ زمین حرم کے لقطہ کے بارے میں کسی کو یہ غلط فہمی وگمان نہ ہونا چاہیئے کہ وہاں اس کا اعلان صرف ایام حج ہی کے دوران کرنا کرانا کافی ہے۔

حالات حاضرہ کے تناظر میں اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ہم کردارِ ابراہیمی کو اپنائیں! سیرت اسماعیل کو حیات فانی کا جزو لاینفک بنائیں! توحید کے عقیدہ خالص کو جی جان کے ساتھ قبول کرنے اور اس پر ثابت قدم رہنے کا عہد کریں! خانگی و خاندانی معاملات میں قانون الٰہی کی بالادستی تسلیم کریں! اور ہزار رکاوٹوں اور آزمائشوں کے باوجود حکم شرعی پر عمل پیرا ہوکر حمیت دینی کا ثبوت پیش کریں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ دنیا کی زندگی بڑی تیزی کے ساتھ روبہ زوال رہتی ہے جیسے کھیتیاں دم بھر کو شاداب ہوتی ہیں تو ان کا ہرا بھرا ہونا دل کو موہ لیتا ہے، دیکھنے والے اور خاص طور پر کسان اس سے بڑے مسرور ہوتے ہیں لیکن ان کھیتیوں کو خشک ہوکر ریزہ ریزہ ہونے میں دیر نہیں لگتی۔ یہی حال دنیا اور دنیا کے آسائشی ساز وسامان کا ہے جو انسان کی مختصر زندگی کے کچھ حصہ میں موسم بہار کی طرح باعث رونق و زینت ہوتے ہیں اور دلوں کو لبھاتے ہیں، پھر جب وہ چھن جاتے ہیں تو زندگی کے باغ و بہار خزاں آلودہ ہوجاتے ہیں۔

آج بھی اگر ابراھیمؑ سا ایماں پیدا

ماخوذ

خلیل الرحمٰن حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خدا کا حکم ہوتا ہے، اور آپ اپنی اہلیہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالی عنہا کے دودھ پیتے اکلوتے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ملک شام سے سرزمین عرب میں لے کر جاتے ہیں۔ اور ایک لق ودق سنسان بیابان میں بیٹھا دیتے ہیں۔ ایک چھاگل میں تھوڑا سا پانی اور کچھ چھوارے دے کر بغیر کچھ کہے سنے پیٹھ پھیر کر چل دیتے ہیں حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا متعجب اور بیتاب ہو کر دریافت فرماتی ہیں خلیل اللہ آپ ہمیں تنہا چھوڑ کر کہاں چلے؟ مگر جواب تو کجا آپ نے مڑ کر دیکھا بھی نہیں پکڑنے کو اٹھیں مگر آپ دوڑنے لگے ناچار ہو کر فرمایا اچھا یہ تو فرمائیے کہ کیا ہم سے ناراضگی ہے یا خدا کا اس طرح کا آپ کو حکم ہوا ہے؟

فرمایا ہاں مجھے میرے رب کا یہی حکم ہوا ہے حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تسکین ہوگئی اور فرمانے لگیں شوق سے تشریف لے جایئے جب ہم اس کے فرمان پر کاربند ہیں تو وہ ہمیں ہرگز ضائع نہیں کرے گا الٹے پاؤں واپس چلی آئیں اور صبر و شکر کے ساتھ اطاعتِ خداوندی میں اپنے ننھے سے گود کے بچے کے ساتھ دل بہلانے لگیں یہاں تک کہ وہ ناکافی توشہ چند کھجوریں اور چند گھونٹ پانی ختم ہوگیا۔ بھوک پیاس کا غلبہ ہوا ہائے بے بسی اور کسم پرسی، چٹیل میدان کی تنہائی۔

جہاں کوسوں دور تک آدمی چھوڑ جانور کا بھی نام و نشان نہیں حد نظر تک کوئی سایہ دار درخت تک نہیں سوائے ریت کے تودوں اور غیر مسلسل ناہموار پہاڑیوں کے کچھ دکھائی نہیں دیتا پانی تو کہاں دور دور تک تری بھی نہیں۔ ہو کا عالم ہے، غضب کا سناٹا ہے، نہ کوئی مونس ہے نہ غمخوار، نہ یار و مددگار، جان سے زیادہ عزیز بچے کا برا حال ہے، اس کا پھول سا چہرہ مرجھا رہا ہے، ہونٹوں پر پپڑیاں جم گئی ہیں،

سانس رک رک کر چل رہا ہے، نبضیں چھوٹی ہوئی ہیں، زبان اینٹھ رہی ہے، حلق خشک ہورہا ہے، گلے میں کانٹے پڑ رہے ہیں، ٹانگیں رگڑ رہا ہے، دم توڑ رہا ہے، مامتا بھری ماں سامنے بیٹھی منہ تک رہی ہے ،ٹکٹکی لگائے ہوئے ہے، دنیا ساری آنکھوں تلے اندھیری ہورہی ہے۔

خاوند کی دوری ، وطن کی مجبوری ، بچہ کی جان کنی اور بے بسی ، بھوک ،اور پیاس ، ریت اور دھوپ ،تنہائی اور بیابان ،آہ اس ننھی سی جان کا، اپنی بھولی بھالی بولی میں اماں اماں پکارنا اور بے بس اور دکھیا اماں کا صدقے اور نثار ہونا ، بچے کا پانی مانگنا اور ماں کی آنکھوں سے موسلا دھار آنسو بہانا اور کلیجہ مسوس کر رہ جانا عجیب عبرت ناک منظر تھا۔ اپنے کلیجے کے ٹکڑے اپنی آنکھوں کے نور، اپنے دل کے سرور، معصوم لاڈلے اور اکلوتے پیارے فرزند کی یہ حالت دیکھی نہیں جاتی ، بیتاب ہو کر کھڑی ہو جاتی ہیں اور آس پاس نظریں دوڑاتی ہیں کہ کہیں پانی دیکھ لوں، یا کوئی ہم جنس نظر آ جائے مگر سوائے مایوسی کے کچھ نہیں۔

صفا پہاڑی پر چڑھتی ہیں، پھر وہاں سے اتر کر مروہ پہاڑی پر چڑھتی ہیں مگر بے سود۔ تھک کر آسمان کی طرف دیکھتی ہیں اتنے میں ایک غیبی آواز آتی ہے تم کون ہو؟ جواب دیتی ہیں میں ابراہیم کے صاحبزادے اسماعیل کی والدہ ہوں فرشتہ پوچھتا ہے ابراہیم اس بے پناہ جنگل میں تمہیں کس کے سپرد کر گئے ہیں؟ فرماتی ہیں وہ ہمیں خدا کو سونپ گئے ہیں جبرئیل علیہ السلام فرماتے ہیں پھر کوئی حرج نہیں خدا کافی ہے اسے سونپی ہوئی چیز برباد نہیں ہوتی وہیں جبرئیل علیہ السلام بحکم خداوندی اپنی ایڑی زمین پر رگڑتے ہیں اور صاف شفاف پانی کا چشمہ ابلنے لگتا ہے یہی چاہ زمزم ہے جس کا پانی بہت مبارک اور متبرک ہے حضرت ہاجرہ خدا کا شکر بجالاتی ہیں یہ پانی انہیں غذا کا کام بھی دیتا ہے اور پانی کا بھی بچے کی جان بھی بچ جاتی ہے!

تازہ ہے چمن عبد خدا دو جہاں کا؛ کچھ دخل نہیں گلشنِ قدرت میں خزاں کا۔

اب پانی کی وجہ سے کچھ اور لوگ یہاں آ بسے اور ایک چھوٹی موٹی سی آبادی ہوگئی (اسی بستی کا نام مکہ مکرمہ ہے جو آج مسلمانوں کا قبلہ ہے)

بہرحال حضرت ابراہیم علیہ السلام خواب میں

دیکھتے ہیں کہ گویا اپنے لختِ جگر پیارے بچے کو راہِ خدا میں قربان کر رہے ہیں تعمیل ارشاد کے لئے فوراً تیار ہو جاتے ہیں بیٹے سے کہتے ہیں، بچے سیر کو چلو، رسی اور چھری بھی لے لو، جنگل سے لکڑیاں بھی کاٹ لائیں گے، ماں خوشی خوشی بچے کو نہلا دھلا کر اچھے کپڑے پہنا کر باپ کے ساتھ کر دیتی ہیں، بچہ ہنسی خوشی کھیلتا کودتا میٹھی میٹھی باتیں کرتا ہوا چلا جا رہا ہے۔

شیطان لعین ایک بھلے مانس کی شکل میں ماں کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے نیک بخت تمہارا بچہ کہاں گیا؟ جواب دیتی ہیں کہ وہ اپنے باپ کے ساتھ سیر کو گیا ہے شیطان کہتا ہے اے بھولی عورت کہاں کی سیر وہ تو اسے ذبح کرنے کے لئے لے گئے ہیں آپ فرماتی ہیں سبحان اللہ آج تک کسی باپ نے بھی بیٹے کو ذبح کیا ہے؟

وہ ایسا کیوں کرنے لگے؟ شیطان نے کہا وہ یوں کہتے ہیں کہ خدا کا انہیں یہی حکم ہوا ہے جواب دیتی ہیں اگر خدا کا یہ حکم ہے تو ایک بیٹا کیا ہزاروں بیٹے تصدق ہیں یہاں سے مایوس و نامراد ہو کر شیطان بچہ کے پاس آتا ہے کہتا ہے صاحبزادے کہاں جا رہے ہو؟ جواب دیتے ہیں ابا جی کے ساتھ تفریح کے لئے جا رہا ہوں لعین کہتا ہے کیسی تفریح وہ تو تمہیں ذبح کرنے کے لئے لے جا رہے ہیں فرماتے ہیں کیوں کہا اس لئے کہ خدا کا انہیں حکم ہے فرمایا پھر کیا ہے ایک کیا ہزاروں جانیں بھی اس کے پاک نام پر قربان ہیں اب باپ کے پاس آ کر کہتا ہے ابراہیم یہ بے رحمی تم اپنے چاند سے بیٹے کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنے کے لیے کون سا جگر لاؤ گے کیا تمہارا خون سفید ہو گیا ہے آپ فرماتے ہیں بھلا میں اسے کیوں ذبح کرنے لگا کہتا ہے تمہیں خیال ہے کہ خدا کا یہ حکم ہے آپ فرماتے ہیں پھر کیا حکم خداوندی سے بیٹا زیادہ عزیز ہے اسی کا عطیہ ہے اسی کے نام پر قربان ہوگا اب ناکام ہو کر ملعون خائب و خاسر لوٹتا ہے۔

منیٰ میں پہنچ کر باپ بیٹے میں گفتگو شروع ہوتی ہے ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں میرے لاڈلے مجھے تمہیں قربان کرنے کا حکم ہوا ہے تم کیا کہتے ہو حضرت اسماعیل علیہ السلام فرماتے ہیں والد محترم فوراً تعمیل ارشاد کیجئے (چھری لیجیے گردن حاضر ہے) انشاء - اللہ صبر و شکر کے ساتھ خالق کی

اطاعت بجا لاؤں گا ہاں میرے مہربان باپ میرے ہاتھ پاؤں باندھ دیجئے کہیں ایسا نہ ہو کہ تڑپوں اور خدا کے ہاں بے صبر گنا جاؤں یا آپ کے کپڑوں پر خون کے چھینٹیں اڑیں اور میری امان جان انہیں دیکھ کر بے قرار ہوں مجھے الٹے منہ زمین پر گرانا کہیں ایسا نہ ہو کہ وقتِ ذبح میری صورت دیکھ کر آپ کو محبت آ جائے چھری تیز کر لیجئے کہ فوراً مالک کو جان سونپ دو ہاں میرے پیارے ابا گھر جا کر میری امی جان سے میرا آخری سلام کہہ دینا انہیں تسلی و تشفی دینا کہیں ان کے دل پر صدمہ نہ گزرے یہ میرا کپڑا بطور نشانی کے دے دینا۔ابا جی رخصت بسم اللہ کیجئے۔

باپ اپنے پیارے فرزند کو گلے سے لگا لیتے ہیں اور آخری پیار کر کے فرماتے ہیں۔ جان پدر میں بہت خوش ہوں کہ تم اپنے مالک کے نام پر سر فروشی کے لیے تیار ہو بیٹا تمہیں خدا کو سونپا اپنے سینے پر صبر کی سل رکھ کر اپنے کلیجے پر داغ جدائی دے کر اپنے نور نظر کے ساتھ وہ کرتا ہوں جو کسی نے نہ کیا ہو پھر ہاتھ پاؤں باندھتے ہیں کرتا اتار لیتے ہیں پھر ذبیح اللہ کو منہ کے بل زمین پر گرا کر تیز چھری حلق پر پھیرنے لگتے ہیں رحمت ایزدی جوش میں آتی ہے دریائے کرم لہریں مارنے لگتا ہے اور رب العالمین آواز دیتا ہے اے میرے ابراہیم بس امتحان ہو چکا تم میرے حکم کی تعمیل کر چکے تمہارا اجر ثابت ہو گیا میں تم دونوں باپ بیٹوں سے خوش ہو گیا جبرئیل علیہ السلام نے حکم خداوندی سے نبی زادے کو اٹھا لیا اور ان کے بدلے میں ایک بہشتی دنبہ رکھ دیا جو ذبح ہوا۔

محترم بھائیو۔ جانوروں کی قربانیاں بھی کرو اور ان سے بھی بڑھ کر یہ ہے کہ خواہشاتِ نفس کی قربانیاں کرو اپنے مال، جان، عزت، آبرو سب کو راہِ خدا میں قربان کرنے کا حوصلہ اپنے اندر پیدا کرو۔

آج بھی ہو جو ابراہیم سا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

جب سے کائنات ہستی وجود میں آئی اللہ تعالی کے کئی ایک برگزیدہ بندے یہاں تشریف لائے؛ جن میں معدودے چند بندوں کو خالق کائنات نے لوگوں کی رشد و ہدایت کے لیے منتخب فرمایا

فلسطین۔ ظلم کی سلیب پر

ماخوذ

فلسطین کی کہانی محض سیاسی کشمکش یا جغرافیائی تنازع نہیں، یہ تاریخ کا وہ دھارا ہے جو حق و باطل کی پہچان بن چکا ہے۔ یہاں نہ صرف مزاحمت کی داستانیں رقم ہو رہی ہیں، بلکہ وہ اخلاقی و روحانی عظمت بھی نمایاں ہے جو کسی قوم کو امر کر دیتی ہے۔ یہ وہ قوم ہے جس نے دکھ سہہ کر، آنسو پی کر، جنازے اٹھا کر بھی سر نہ جھکایا۔ ان کے بچّوں کے لبوں پر "حریۃ'' کا ترانہ ہے، ان کی ماؤں کے آنچل میں صبر کی خوشبو ہے، اوران کے بزرگوں کی آنکھوں میں تاریخ کا گہرا شعور۔ یہ غزہ ہو یا نابلس، رملہ ہو یا جنین—ہر شہر، ہر گاؤں ایک زندہ استعارہ ہے اس بات کا کہ ظلم جتنا بھی شدید ہو، وہ حق کی روشنی کو بجھا نہیں سکتا۔ ہر فلسطینی وہ گواہی ہے جو چیخ چیخ کر دنیا سے پوچھتی ہے: " کیا تمہاری آنکھیں صرف اپنے مفاد پر کھلتی ہیں؟ کیا انسانیت کے پیمانے قوموں کی طاقت سے تولے جاتے ہیں؟'' ۔مگر افسوس! آج کی دنیا جسے مہذب کہا جاتا ہے، وہاں ضمیر بکتے ہیں، حقوق کی بولیاں لگتی ہیں، اور بےحسی، پالیسی بن چکی ہے۔

لیکن ایک بات طے ہے: فلسطین ایک دن آزاد ہوگا۔ نہ صرف زمینی قبضے سے، بلکہ ان نظریاتی زنجیروں سے بھی جو اسے محکوم رکھنے کے لیے تیار کی گئی ہیں۔ یہ آزادی صرف فلسطینیوں کی نہیں، انسانیت کی جیت ہوگی۔ وہ دن جب غزہ کے بچّے کتابوں کے ساتھ اسکول جائیں گے، ماں کی گود میں امن کی نیند سوئیں گے، اذانیں بلا خوف بلند ہوں گی، اور دنیا کی تاریخ ایک نئے باب سے روشناس ہوگی—جہاں لکھا ہوگا: "یہ وہ قوم ہے جس نے ظلم کے صحرا میں صبر کا چشمہ نکالا، اور حق کی شمع بجھنے نہ دی''۔

فلسطین... ایک ایسا نام جو صرف ایک خطہ نہیں، بلکہ صدیوں پر محیط جدوجہد، قربانی، عزم اور عزّتِ نفس کی روشن علامت ہے۔ یہ وہ سرزمین ہے جہاں ہر ذرّہ، ہر پتھر، ہر کونے میں تاریخ کی صدائیں گونجتی ہیں اور ہر سانس میں آزادی کی آرزو مچلتی ہے۔ فلسطین کی کہانی محض کسی قوم کی جغرافیائی بقاء کی جنگ نہیں، بلکہ انسانیت، حریت اور وقار

کی بقاء کی داستان ہے۔ یہ وہ خطہ ہے جہاں آسمانوں نے معصوم بچّوں کے لہو سے بھیگی مائیں دیکھی ہیں، اور زمین نے ایسے بے شمار جنازے اٹھائے ہیں جن کی آنکھوں میں موت سے پہلے بھی امید کے دیے روشن تھے۔ فلسطین صرف قربانی کا استعارہ نہیں، بلکہ وہ عظیم درسگاہ ہے جہاں نہتے ہاتھوں نے طاقت کے بتوں کو چیلنج کیا، جہاں بھوک، ظلم، قید و بند اور جلاوطنی کے سائے میں بھی وفا، جرأت اور استقلال کے چراغ جلتے رہے۔

سیاسی بدامنی، معاشی ناکامی، عالمی بے حسی، اور طاقتوروں کی نرگسیت کے باوجود فلسطینی عوام نے نہ صرف اپنے تشخص کو باقی رکھا بلکہ اپنی شناخت کو شعور، ادب، فن، اور مزاحمت کے رنگوں سے آراستہ کیا۔ ان کے قلم نے بھی مزاحمت لکھی اور ان کے قدموں نے بھی انقلاب کے راستے متعین کیے۔ مشرقِ وسطیٰ میں واقع یہ مبارک سرزمین، گزشتہ ایک صدی سے ظلم و ستم، استعماری چالوں، اور قبضہ گیری کے خونی کھیل کی شکار رہی ہے۔ 1948ء کی نکبہ ہو یا 1967ء کی جنگ، غزہ کی ناکہ بندی ہو یا مغربی کنارے کی دیواریں — ہر سانحہ فلسطینیوں کے دل پر ایک زخم چھوڑ گیا، لیکن ہر زخم کے ساتھ ان کی حوصلہ افزائی بھی بلند تر ہوئی۔

فلسطین کی موجودہ صورتحال بلا شبہ تکلیف دہ ہے۔ اقوامِ عالم کی خاموشی، عالمی اداروں کی مجرمانہ بے نیازی اور طاقتور ممالک کی دوہری پالیسیوں نے مظلوم کو انصاف سے دور اور ظالم کو مزید بے لگام کر دیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود، فلسطین کے نہتے باسیوں کی آنکھوں میں آزادی کا خواب آج بھی روشن ہے۔ ان کے سینے میں ایک تپتا ہوا دل دھڑکتا ہے جو ظالم کی گولیوں سے نہیں ڈرتا، بلکہ حق کے لیے سینہ سپر ہونے کا حوصلہ رکھتا ہے۔ فلسطین ایک نظریہ ہے، ایک جذبہ ہے، ایک ایسی چنگاری ہے جو ظلم کی تاریکی میں بھی روشنی کی امید رکھتی ہے۔ یہ زمین اپنے شہیدوں کی گواہی دیتی ہے اور اپنے زندہ لوگوں کی مزاحمت کو تاریخ کے اوراق میں سنہری حروف سے لکھ رہی ہے۔

غزہ... وہ سرزمین جو کبھی بچّوں کی ہنسی، ماں کی لوری، اور اذانوں کی گونج سے آباد تھی، آج راکھ کا ڈھیر ہے۔ حالیہ اسرائیلی جارحیت نے اس خطے کے دل میں وہ زخم دیئے ہیں جن کا درد الفاظ میں سمویا نہیں جا سکتا۔ گلیاں جو کبھی زندگی کی گواہ تھیں، اب ملبے تلے سسک رہے خوابوں کی قبرستان بن چکی ہیں۔ اسکول، جہاں علم کی روشنی بانٹی جاتی تھی، اب راکھ کے ڈھیر ہیں؛ ہسپتال، جو زندگی بچانے

کے لیے بنائے گئے تھے، آج خود موت کے مہیب سائے تلے کراہتے دکھائی دیتے ہیں؛ اور گھروں کی چھتیں، جو کبھی ماں کے سائے اور بچّوں کی پناہ کا استعارہ تھیں، اب بےگھر فلسطینیوں کی یاد بن چکی ہیں۔ یہ صرف عمارتوں کا انہدام نہیں، یہ ایک تہذیب، ایک قوم، ایک مستقبل کو مٹی میں ملانے کی سفاک کوشش ہے۔ غزہ کا انفراسٹرکچر اب کھنڈرات کی ایسی بےزبان زبان ہے جو چیخ چیخ کر انسانیت کے ضمیر کو جھنجھوڑ رہی ہے۔ ہزاروں فلسطینی بے گھر ہو چکے ہیں۔ وہ اپنے ہی شہر میں اجنبی ہو گئے ہیں، جہاں نہ پناہ ہے، نہ پانی، نہ دوا، نہ غذا۔ معیشت کی ریڑھ کی ہڈی کہلانے والے کاروبار یا تو تباہ ہو چکے ہیں یا بند ہونے پر مجبور ہیں۔ روزی کے چراغ بجھا دیے گئے ہیں اور خوابوں کے آئینے پاش پاش ہو چکے ہیں۔

انسانی قیمت اتنی ہولناک ہے کہ قلم کانپتا ہے۔ ہزاروں معصوم جانیں—جن میں اکثریت بچّوں اور عورتوں کی ہے—بےدریغ بمباری کی نذر ہو گئیں۔ آغوشِ مادر میں سوتے ہوئے شیر خوار بچے، اسکول جاتے ہوئے کمسن فرشتے، اور اپنے گھروں میں پناہ لینے والی معصوم مائیں، سب کچھ لمحوں میں ملبے تلے دفن ہو گئے۔ اور جو زندہ بچ گئے، ان کے چہرے جھلسے ہوئے ہیں، ان کی روحیں گھائل ہیں۔ اسرائیلی فوج کی جانب سے ممنوعہ ہتھیاروں، خصوصاً سفید فاسفورس کے استعمال نے جلتے جسموں اور سسکتی سانسوں کا وہ منظرنامہ پیدا کیا ہے جسے دیکھ کر آسمان بھی شرما جائے۔ ایسے ہتھیار صرف جسم نہیں، پوری نسلوں کو مفلوج کر دیتے ہیں۔

اور شاید سب سے گہرا زخم وہ ہے جو نظر نہیں آتا—وہ نفسیاتی بربادی جو خاموشی سے نسلوں کی روح میں سرایت کر چکی ہے۔ ہر دھماکہ ایک بچّے کی نیند چھین لیتا ہے، ہر جنازہ ایک نوجوان کی امید دفن کر دیتا ہے۔ خوف، بے چینی، اضطراب، اور ڈپریشن اب غزہ کے ہر گھر کے مکین بن چکے ہیں۔ یہ صرف ایک جنگ نہیں، یہ انسانیت کے خلاف جرم ہے۔ یہ چیخ ہے اُن ماو?ں کی جو لوری کی جگہ بین کرتی ہیں، اُن بچّوں کی جو کھلونوں کے بجائے لاشیں گنتے ہیں، اور اُن انسانوں کی جو زندہ تو ہیں، مگر جینے کی سب امنگیں کھو چکے ہیں۔

وہ خطہ جہاں کبھی خوشیوں کی محفلیں، میلوں کی چہل پہل اور صدیوں پرانی تہذیب کی رمق موجود تھی، آج وہاں صرف خاموشی ہے—ایسی خاموشی جس کے پس منظر میں بموں کی گونج، بچّوں کی چیخیں، اور ماو?ں کی آہیں دفن ہیں۔ فلسطینی خاندانوں نے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے

پیاروں کو کھو دیا — بیٹے جو علم کے چراغ روشن کرنے نکلے تھے، اور لوٹ کر کفن میں لپٹے آئے؛ بیٹیاں جو گڑیاں کھیلتی تھیں، اب ملبے کے نیچے ابدی نیند سو گئی ہیں۔ یہ صرف جانی نقصان نہیں، بلکہ نسلی صدمہ ہے۔ ایسے بچّے پروان چڑھ رہے ہیں جن کے خوابوں میں رنگ نہیں، صرف راکھ ہے؛ جن کے کھیل کا میدان کھنڈر ہے، اور جن کی لوریاں اب بمباری کی آوازوں میں گم ہو چکی ہیں۔ خوف، ان کی نیند میں گھل گیا ہے، اور جنگ، ان کے بچپن کا مستقل منظرنامہ بن چکی ہے۔

کمیونٹیز جو کبھی اخوت، ثقافت، اور روایات کا گہوارہ تھیں، اب بکھر چکی ہیں۔ کوئی اپنے شہر سے ہجرت پر مجبور ہے، کوئی اپنے خاندان کے آخری فرد کو دفن کر کے تنہا رہ گیا ہے۔ وہ فلسطینی معاشرہ جو اپنی مضبوطی، صبر، اور روایتی اقدار کے لیے جانا جاتا تھا، آج زخموں سے چور ہے، مگر جھکا نہیں۔ ان سب کے بیچ اسرائیل کی حکومت بیرحم تسلسل کے ساتھ بین الاقوامی قوانین اور اقوامِ متحدہ کی قراردادوں کی دھجیاں اڑا رہی ہے۔ نہ جنیوا کنونشن کی پرواہ، نہ انسانی حقوق کی فکر — صرف طاقت، قبضہ، اور تباہی کا ایجنڈا۔ اور بدقسمتی سے، اس ظلم کے پردہ نشینوں میں امریکہ جیسا ملک بھی شامل ہے، جو نہ صرف سیاسی و عسکری حمایت فراہم کرتا ہے بلکہ اقوامِ متحدہ میں انصاف کی ہر آواز کو ویٹو کی دیوار سے ٹکرا کر خاموش کر دیتا ہے۔ عالمی برادری، جو انسانی حقوق کی علمبردار ہونے کی دعویدار ہے، فلسطین کے معاملے میں یا تو بےبس نظر آتی ہے یا مصلحتوں کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے۔

مگر ستم کی اس طویل رات میں بھی فلسطینی قوم کی روح زندہ ہے۔ ہزاروں قربانیوں، جبر و تشدّد، اور جلاوطنی کے باوجود فلسطینیوں نے اپنی تاریخ کو مٹنے نہیں دیا۔ ان کے ہاتھوں میں زیتون کی شاخ ہو نہ ہو، مگر دلوں میں اپنے آبا کی سرزمین کی خوشبو باقی ہے۔ ان کے گھروں کی چھتیں چھن گئیں، مگر ثقافت کی چھتری قائم ہے؛ ان کے درخت جڑ سے اکھاڑ دیے گئے، مگر ورثہ ان کے لہجے، ان کی زبان، ان کے فن، اور ان کی شاعری میں زندہ ہے۔ فلسطین ایک نام نہیں، ایک مزاحمت ہے؛ ایک وطن سے عشق کا استعارہ، جو دنیا کی بےحسی کے باوجود اپنی مٹی سے جڑے رہنے کا ہنر جانتا ہے۔ یہ سرزمین آج بھی کہہ رہی ہے: "تم میرے جسم کو مٹا سکتے ہو، میری روح کو نہیں۔ تم میری چھت گرا سکتے ہو، میرے خواب نہیں۔ تم میرے بچّوں کو مار سکتے ہو، میرے عزم کو نہیں"۔

جیسے ہی میں یہ الفاظ قلم بند کر رہا ہوں، میرے دل پر درد کی ایک لہر ٹوٹتی ہے، اور آنکھوں میں ایک بے بسی کی نمی جم جاتی ہے۔ یہ صرف الفاظ نہیں، یہ وہ تڑپ ہے جو ہر ذی شعور دل کو اندر سے زخمی کر دیتی ہے۔ ایک پوری قوم، فلسطین، جس کے آنگن میں ہر صبح ملبے کے ڈھیر پر طلوع ہوتی ہے، اور ہر رات ماتم اور آہوں کے سائے میں ڈھلتی ہے—اس پر ظلم و جبر کی انتہاء ہو چکی ہے۔ دنیا کی یہ مجرمانہ خاموشی اور لاتعلقی دل کو چیر کر رکھ دیتی ہے۔ کیسے ممکن ہے کہ ہم ان فلسطینی بچّوں کی چیخیں نہ سنیں، جو اپنے ماں باپ کی لاشوں سے لپٹ کر سسک رہے ہیں؟ ان یتیم آنکھوں میں جھانکنے کی ہم میں ہمت کیوں نہیں؟ جن کے ننھے خواب، اسکول بستے اور کھلونوں کے ساتھ دفن ہو چکے ہیں۔ وہ بچّے جنہیں کتابیں تھامنی تھیں، آج وہ لاشیں اٹھا رہے ہیں یا اپنے زخم سہلا رہے ہیں۔

اور ان ماؤں کا کیا جنہوں نے اپنے جگر گوشے دفناتے دفناتے اپنا صبر بھی دفن کر دیا؟ جن کے گھروں کے آنگن اب قبرستان میں بدل چکے ہیں؟ جن کی کوکھیں اجڑ گئیں، اور آنکھوں کی چمک ہمیشہ کے لیے ماند پڑ گئی؟ وہ ماں جو اپنے بیٹے کی شہادت پر فخر بھی کرتی ہے اور خاموشی سے رات بھر آنسو بھی بہاتی ہے—یہ دکھ صرف لفظوں میں بیان نہیں ہو سکتا، یہ روح کا نوحہ ہے۔ ایسے ہی ایک لمحے میں علی ہادی کی وہ غزل یاد آئی جو فلسطین کے المیے کو شعری پیکر میں یوں ڈھالتی ہے گویا لفظ بھی رو رہے ہوں:

جنازے اتنے اتنے اُٹھ رہے ہیں
ملک الموت چشمِ نم کھڑے ہیں

یہ شعر کتنا سچ بیان کرتا ہے—موت کا فرشتہ بھی اب اشکبار ہے، کیونکہ وہ بھی اب تھک چکا ہے اتنے معصوم جنازے اٹھاتے اٹھاتے۔

اے مولا جس طرح کٹتی ہیں فصلیں
فلسطیں والوں کے سر کٹ رہے ہیں

کتنا دل دہلا دینے والا منظر ہے! جیسے ہل چلاتا کسان فصلیں کاٹتا ہے، ویسے ہی وحشیانہ حملے فلسطینیوں کے سر کاٹ رہے ہیں—یہ انسانی نہیں، حیوانی درندگی کا منظر ہے۔

نگاہِ عدل کر سمتِ فلسطیں
مکاں سے بڑھ کے قبرستاں بنے ہیں

یہ سطریں عدلِ الٰہی کو پکارتی ہیں، کہ اے ربّ العٰلمین! وہ سرزمین جہاں کبھی گھر تھے، اب قبریں ہیں—جہاں کبھی قہقہے تھے، اب خاموشی ہے؛ جہاں بچّوں کے کھیل ہوا کرتے تھے، اب موت کا رقص ہے۔

ایسے حالات میں خاموشی اختیار کرنا ظلم کا ساتھ دینے کے مترادف ہے۔ ہمیں فلسطین کے حق میں بولنا ہوگا، لکھنا ہوگا، اوران کے درد کو دنیا کے ضمیر تک پہنچانا ہوگا۔ کیونکہ اگر ہم آج خاموش رہے تو تاریخ ہمیں معاف نہیں کرے گی، اور انسانیت ہمیں بھول جائے گی۔

اب وقت آ گیا ہے کہ انسانی حقوق کی علمبردار تنظیمیں اور عالمی برادری محض بیانات تک محدود نہ رہیں، بلکہ عملی اقدامات کے ذریعے فلسطین کے زخموں پر مرہم رکھیں۔ فلسطین کی فضا میں جو بارود کی بو رچی بسی ہے، وہ صرف وہاں کے مکینوں کی نہیں، انسانیت کی روح کو بھی جھلسا رہی ہے۔ بین الاقوامی قوانین کی پامالی، اقوامِ متحدہ کی قراردادوں کی خلاف ورزی، اور بنیادی انسانی اقدار کی بے حرمتی — یہ سب اسرائیلی ریاست کے وہ اعمال ہیں جن پر اب دنیا کی خاموشی جرم کے مترادف بن چکی ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ اسرائیل کو جواب دہ ٹھہرایا جائے۔ ان تمام واضح جنگی جرائم پر سخت عالمی پابندیاں عائد کی جائیں، جن میں نہتے عوام، معصوم بچے اور بے گناہ خواتین کو نشانہ بنایا گیا۔ صرف مذمت کافی نہیں؛ عدل کا تقاضا ہے کہ ان جرائم کی شفاف اور غیر جانبدار تحقیقات ہوں، اور مجرموں کو انصاف کے کٹہرے میں لایا جائے۔

فلسطینی عوام کو ان کا حقِ خودارادیت دیا جائے — وہ حق جس کی ضمانت اقوامِ متحدہ بھی دیتی ہے اور جس کی صدائے بازگشت دنیا بھر کے مظلوم دلوں میں گونج رہی ہے۔ انہیں یہ حق حاصل ہونا چاہیے کہ وہ اپنی سرزمین پر عزّت، وقار اور آزادی کے ساتھ زندگی گزار سکیں، بغیر کسی جارحیت یا خوف کے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان متاثرہ خاندانوں، بے گھر بچّوں، زخمی بزرگوں اور بکھری ہوئی ماں کی گودوں کو فوری اور مکمل انسانی امداد فراہم کی جائے۔ وہ قیدی جو برسوں سے بغیر کسی الزام کے اذیت سہہ رہے ہیں، خاص طور پر کم عمر بچّے اور خواتین، ان کے حقوق کی بین الاقوامی سطح پر وکالت کی جائے۔ یہ وقت ہے ایک عالمی ضمیر کے جاگنے کا۔ وقت ہے کہ انسانیت اپنے زخم خوردہ چہرے کو آئینہ دکھائے اور فلسطینیوں کو وہ انصاف، تحفّظ اور وقار عطا کرے جس کے وہ برسوں سے منتظر ہیں — اور جس کے وہ نہ صرف مستحق، بلکہ فطری حق دار ہیں۔ کیونکہ انصاف صرف قانون کا تقاضا نہیں، یہ انسانیت کی بقاء کا سوال ہے۔ **یہ وہ پیغام ہے جو ہر فلسطینی بچّے کی آنکھوں میں چمکتا ہے، ہر ماں کے آنچل میں بندھا ہے، اور ہر شہید کے کفن سے گونجتا ہے۔ فلسطین صرف ایک زمینی تنازع نہیں، یہ ایک نظریاتی اور اخلاقی امتحان ہے۔**

تکبیر تشریق

تکبیر تشریق ۹/ ذی الحجہ کی فجر سے تیرہ ذی الحجہ کی عصر تک ہے، یوں تو حسب سہولت جب بھی پڑھے باعث ثواب ہے؛ لیکن خاص طور پر ان تئیس نمازوں کے بعد تکبیر پڑھنا واجب ہے، اور نماز عید کو ملا کر کل چوبیس نمازیں ہوتی ہیں،

جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے والے مردوں کو جماعت کے فوراً بعد بآواز بلند تکبیر کہنی چاہئے، اگر تنہا نماز پڑھ رہے ہوں یا خواتین ہوں، وہ آہستہ تکبیر پڑھیں گی،

تکبیر تشریق پڑھنے کا حکم شہر والوں کے لئے بھی ہے اور دیہات والوں کے لئے بھی، مردوں کے لئے بھی ہے اور عورتوں کے لئے بھی، جو قربانی کرنا چاہتے ہوں ان کے لئے بھی اور جو نہ کرنا چاہتے ہوں ان کے لیے بھی، اگر امام تکبیر کہنا بھول جائے تو مقتدیوں کو چاہئے کہ یاد دلا دے اور اس کی صورت یہ ہے کہ خود زور سے پڑھنے لگے، اگر تکبیر پڑھنا بھول جائے تو ان شاء اللہ گناہ نہیں اور نہ ہی اس کی قضا ہے، گناہ اس لئے نہیں ہے کہ اس میں اس کے قصد و ارادہ کو دخل نہیں ہے، اور قضاء اس لئے نہیں ہے کہ اس کی قضا ثابت نہیں۔

SADA-E-SHUJAIYA

Urdu Monthly Magazine, Hyderabad

RNI : TELURD/2019/77738

Rs. 20/-

Editor, Printer & Owned by Syed Mohammed Ibrahim Hussaini
Printed At : Aijaz Printing Press, Diwan Dewdi, Chatta Bazar, Hyd-500002, T.S.
Published at : H.No. 22-5-918/15/A, Charminar, Hyderabad - 500002, Telangana

www.shujaiya.com | 040-66171244